2007

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید سیریز

خوفناک چال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محمود، فاروق، فرزانہ اور انسپکٹر جمشید کے کارنامے

اشتیاق احمد

تفریح بھی ، تربیت بھی

اٹلانٹس پبلیکیشنز صحت مند، اصلاحی اور دلچسپ کہانیوں اور ناولوں کی کم قیمت اشاعت کے ذریعے ہر عمر کے لوگوں میں مطالعے اور کتب بینی کے فروغ کیلئے کوشاں ہے۔

ناول	خوفناک چال
نمبر	750
پبلشر	فاروق احمد
قیمت	40 روپے

ناول حاصل کرنے اور ہر قسم کی معلومات کیلئے مندرجہ ذیل پتے پر رابطہ کریں۔

اٹلانٹس پبلیکیشنز
D-83 سائٹ، کراچی
فون: 2578273 - 2581720
e-mail: atlantis@cyber.net.pk

ایک حدیث

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"حسد سے بچو، کیوں کہ حسد نیکیوں کو اس طرح ختم کر دیتا ہے... جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔"

☆☆☆

ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

☆ یہ وقت عبادت کا تو نہیں۔
☆ آپ کو سکول کا کوئی کام تو نہیں کرنا۔
☆ آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا۔
☆ آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا۔

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہو تو ناول الماری میں رکھ دیں، پہلے عبادت اور دوسرے کاموں سے فارغ ہو لیں، پھر ناول پڑھیں۔

اشتیاق احمد

دو باتیں

السلام علیکم!

یہ "خوفناک چال" کی دو باتیں ہیں۔ آپ کو ناول کا نام عجیب سا لگے گا، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صرف عجیب سا ہی نہیں عجیب و غریب بھی لگے۔ آپ پریشان نہ ہوں... نام کی طرح ناول بھی عجیب و غریب ہے... آپ کے اس کے عجائب اور غرائب میں کھو کر رہ جائیں گے... اور اس حد تک کھو کر رہ جائیں گے کہ آپ کو پتا بھی نہیں چلے گا... کہ ناول کب ختم ہو گیا... اس بات کا بھی امکان ہے کہ ناول ختم ہونے پر آپ سوچنے بیٹھ جائیں کہ آخر اس ناول کا نام "خوفناک چال" کیوں رکھا گیا... اب آپ سے کیا چھپانا... راز کی بات بتائے دیتا ہوں... یہ بات تو خود مجھے بھی نہیں معلوم کہ میں نے یہ نام کس بنیاد پر رکھا ہے... ہاں یہ نام کیسے رکھا گیا... یہ ضرور بتا سکتا ہوں...

میں نے اس ناول کا نام دراصل "شکاری چال" رکھا تھا... نام سن کر فاروق احمد کہنے لگے... "چال" لفظ والا نام کئی ناولوں کا آ چکا ہے... مثلاً شکو چال، الٹی چال... ہو سکتا ہے چند ایسے نام اور بھی ہوں، خیر یہ سن کر میں نے ان سے کہا... تو کوئی بات نہیں... اس کا نام "شکاری چال" رکھ دیتے ہیں... جب یہ نام بھی انہیں نہ جچا تو میں نے بلا سوچے سمجھے کہہ دیا کہ تب پھر اس کا نام "خوفناک چال" ہوگا...

رکھنے کو تو میں نے یہ نام رکھ دیا اور آپ نے بھی اس نام کو قبول کر لیا... لیکن اس سے آگے کسی کو کچھ معلوم نہیں اور حقیقت یہی ہے کہ مجھے نہیں معلوم... "خوفناک چال" کا کیا مطلب بنتا ہے... کوئی مطلب بنتا بھی ہے یا نہیں... اور اس ناول کے پلاٹ پر کچھ جچتا بھی ہے یا نہیں... گویا کسی کو اس نام کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں... بس اتنا معلوم ہے کہ یہ نام رکھ دیا ہے... آپ بھی خوش دلی سے اس نام کو قبول کر لیں... کیونکہ اس کے سوا آپ کے لیے کوئی چارہ نہیں... آپ کے قبول نہ کرنے یا پسند نہ کرنے یا تبدیل کر دینے سے اب کیا فرق پڑے گا... کیا خیال ہے اس بارے میں آپ کا... ویسے آپ کچھ خیال نہ فرمایئے... اس لیے کہ ایسا بھی ہوتا ہے... اس دنیا میں کیا کچھ نہیں ہوتا رہتا... بس یہ سوچ کر صبر کر لیجیے... کہ آپ اس بارے میں کچھ بھی تو نہیں کر سکتے... جب میں اور فاروق صاحب ہی کچھ نہیں کر سکتے... تو آپ تو ہیں کون... ارے باپ رے... آپ تو ہو جائیں گے ناراض... لہٰذا اجازت"

شاید

''شاید ہم راستہ بھول گئے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید کی آواز ابھری۔

''آپ کا شکریہ ابا جان۔'' فاروق نے خوش ہو کر کہا۔

''لگتا ہے، بے چارے کا دماغ چل گیا... راستہ بھولنے پر خوش ہو رہا ہے اور ابا جان کا شکریہ بھی ادا کر رہا ہے... جب کہ ہم یہ بات سن کر پریشان ہو گئے ہیں۔'' محمود نے بڑا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

''میں تمہاری بھرپور تائید کرتی ہوں محمود۔'' فرزانہ نے فوراً سر ہلایا۔

''لیکن میں تم دونوں کی تائید نہیں کروں گا۔''

''اور نہ میں......'' خان رحمان کی آواز ابھری۔

''میں بھی نہیں... اس لیے کہ فاروق نے بلاوجہ شکریہ ادا نہیں کیا... وضاحت تو خیر یہ خود ہی کرے گا۔'' پروفیسر داؤد مسکرائے۔

''جی ہاں کیوں نہیں... بات دراصل یہ ہے کہ ابا جان نے شاید کا لفظ استعمال کیا ہے... اس کا مطلب ہے... انہیں اس بات کا یقین نہیں ہے کہ ہم راستہ بھول گئے ہیں... اور جب تک اس بات پر یقین نہیں

آجاتا، ہمیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں... اپنے ایک لفظ شاید کے ذریعے انہوں نے ہمیں پریشانی سے بچانے کی بھرپور کوشش کی ہے... اس لیے میں نے ان کا شکریہ ادا کر دیا تو کیا بُرا کیا... ہیں جی۔''

''توبہ ہے تم سے... ویسے شاید اسی کو کہتے ہیں بال کی کھال اتارنا۔'' فرزانہ جھلا اٹھی۔

''اب تم بھی ایک عدد شاید اٹھا لائیں۔'' محمود نے اسے گھورا۔

''اٹھا کر تو خیر نہیں لائی۔'' فرزانہ نے فوراً کہا۔

''اللہ کا شکر ہے... اب یہ دونوں بھی خود بخود تیری راہ پر لگ گئے ہیں۔'' فاروق ہنسا۔

''راہ پر لگ گئے ہیں... لیکن راہ ہی کی تو بات ہو رہی ہے... اس راہ کی... جو ہم شاید بھول گئے ہیں۔'' فاروق نے جلدی جلدی کہا۔

''نہیں بھئی... نہیں...'' انسپکٹر جمشید بول اٹھے۔

''نہیں بھئی نہیں کیا جمشید۔'' خان رحمان ان کی طرف مڑے۔

''اب اس شاید کو یقین سے بدلنا ہی پڑے گا۔''

''کیا مطلب؟'' وہ ایک ساتھ بولے۔

''اب مجھے یقین آ گیا... ہم واقعی راستہ بھول چکے ہیں۔''

''ارے باپ رے۔'' فاروق بوکھلا اٹھا۔

''اور فاروق! اب ذرا تمہیں حرکت میں آنا ہوگا۔''

''حرکت میں تو ہم بھی ہیں اور مسلسل آٹھ گھنٹے ہو گئے حرکت کرتے ہوئے... یعنی گاڑی میں بیٹھ کر چلتے ہوئے۔''

''توبہ ہے تم سے... بات کہاں کی کہاں لے جاتے ہو۔''

''اب میں تم سے پوچھ کر لے جایا کروں گا۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''کیا لے جایا کرو گے۔''

''بات اور کیا... بات ہی کی تو بات ہو رہی ہے۔'' فاروق نے آنکھیں نکالیں۔

''حد ہو گئی... بلکہ دھت تیرے کی۔'' محمود نے جھلا کر اپنی ران پر ہاتھ مارا۔

''چلو فاروق... تم لوگوں کی باتیں تو اب ختم ہونے کا نام نہیں لیں گی... لہٰذا ساتھ میں کام بھی کرتے رہو۔''

''جی اچھا۔'' فاروق نے کہا اور لگا گاڑی سے اترنے۔

''حد ہو گئی... یہ پوچھا نہیں کہ کرنا کیا ہے... اور گاڑی سے اترے جا رہے ہیں، ہے کوئی تک۔''

''جس بات کے بارے میں علم ہے... اس کے بارے میں پوچھنے کی کیا ضرورت ہے... ظاہر ہے... ابا جان چاہتے ہیں... میں کسی اونچے درخت پر چڑھ کر راستہ دیکھوں۔''

''بالکل ٹھیک فاروق... اب بس... تیر کی طرح چڑھ جاؤ۔''

''تیر کی طرح نہیں ابا جان... بندر کی طرح۔'' محمود نے فوراً کہا۔

''آپ دیکھ رہے ہیں ابا جان اور انکل... یہ تیر کو بندر سے بدل رہے ہیں۔''

''یار تم جاؤ۔'' انسپکٹر جمشید جھلا اٹھے۔

اور وہ گاڑی سے نکل کر ایک اونچے درخت کی طرف بھاگ کھڑا ہوا... وہ مسکرانے لگے... اس مرتبہ انہوں نے ہافام کا پروگرام بنایا تھا... ہافام ان کے ملک کی آخری حدود میں ایک سرسبز پہاڑی مقام تھا... اس کے پہاڑ بلند و بالا درختوں سے اٹے پڑے تھے اور ان میں ہرن اور بارہ سنگھے کثرت سے ملتے تھے... ہرن کے شکار کے لیے ان اطراف میں وہ پہلے کبھی نہیں آئے تھے... یہ پہاڑی راستے بہت پر پیچ تھے... اور چونکہ پہلے آئے بھی نہیں تھے... اس لیے وہ راستے سے بھٹک گئے تھے... کافی دیر تک چکرانے کے بعد آخر انسپکٹر جمشید کو خیال ظاہر کرنا پڑا کہ وہ راستہ بھول گئے ہیں:

''اس طرف کافی فاصلے پر آبادی نظر آ رہی ہے ابا جان۔'' فاروق نے اوپر ہی سے چلا کر کہا۔

''ٹھیک ہے... تم نیچے آ جاؤ... اب ہمیں آبادی کی طرف جانا پڑے گا۔''

فاروق درخت سے اتر کر کار میں آ بیٹھا:

''ہمیں اس طرف جانا ہے۔''

''لیکن اس طرف کوئی سڑک نہیں ہے... نہ کچی... نہ پکی۔'' محمود بولا۔

''جس سڑک پر ہم اس وقت ہیں... وہ بھی آگے جا کر ختم ہو رہی ہے... اور آگے پہاڑ ہے... لہٰذا اس پر چل کر بھی ہمیں واپس آنا ہو گا۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

''میرا خیال ہے... آبادی کا ہی رخ کرتے ہیں... ایک تو ہم

کچھ سستا لیں گے... کھانے پینے کا کچھ سامان خرید لیں گے... اور راستہ بھی معلوم ہو جائے گا... ان شاء اللہ۔'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''چلیے پھر بسم اللہ کیجیے۔'' فرزانہ مسکرائی۔

اور وہ درختوں کے درمیان کار چلانے لگے... راستہ ناہموار تھا اور اونچا نیچا بھی... اس لیے انہیں خوب ہچکولے لگ رہے تھے... ہچکولوں سے پر یہ سفر آدھ گھنٹے تک جاری رہا... آخر انہیں آبادی کے آثار نظر آنے لگے... یہ آبادی گویا پہاڑ کے دامن میں تھی... پہاڑ کافی بلند تھا اور اس پر بہت بلند درختوں کی قطاریں تھیں... یوں لگتا تھا جیسے پہاڑ پر محافظ کھڑے ہوں...

ان کی گاڑی آہستہ آہستہ مکانات سے نزدیک ہو رہی تھی... آخر وہ ان کے سامنے پہنچ گئے... ساتھ ہی انہیں ایک گرج دار آواز سنائی دی:

''خبردار! ہاتھ اوپر اٹھا دو۔'' انگریزی میں کہا گیا۔

ان کے ہاتھ فوراً اوپر اٹھ گئے... جلد ہی انہیں اپنے چاروں طرف مسلح لوگ نظر آئے... ان کا گھیرا آہستہ آہستہ تنگ ہو رہا تھا... ان میں سے ایک قدرے آگے آ گیا:

''ان... ان کے ارادے تو خطرناک لگتے ہیں ابا جان۔'' فرزانہ نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''جب تک ہم ان سے بات نہ کر لیں... کیسے کوئی قدم اٹھا سکتے ہیں... آخر ہم یہاں اجنبی ہیں... اور یہ ان کی بستی ہے... انہیں کیا معلوم ہم کس ارادے سے آئے ہیں... لہٰذا یہ... یہ ضرور حفاظتی

اقدامات ہیں... اور کوئی بات نہیں۔''

''اللہ کرے ایسا ہی ہو... لیکن میرا دل بُری طرح دھڑک رہا ہے۔'' پروفیسر داؤد بولے۔

''تب پھر خطرے سے نبٹنے کے لیے تیار رہیں۔''

'' اچھی بات ہے جمشید... تم فکر نہ کرو... جونہی تمہاری طرف سے اشارہ ملے گا... ان سے نبٹ لوں گا۔''

''کون ہو تم لوگ اور ادھر کیسے آ گئے... جانتے نہیں... یہ آزاد علاقہ ہے۔''

''آزاد علاقہ؟'' انسپکٹر جمشید چونکے۔

''ہاں! آزاد علاقہ... پہلے تم بتاؤ... تم کس طرف سے آئے ہو؟''

''ہم اسی ملک کے ہیں... یہ ہمارا ملک ہے... یعنی پاک لینڈ۔''

''اوہ... تو تم پاک لینڈ کے ہو۔'' اس کے لہجے میں ہلکا سا طنز تھا۔

''کیوں... کیا یہ علاقہ پاک لینڈ میں شامل نہیں۔''

''نہیں...'' اس نے گردن کو جھٹکا دیا۔

''تب پھر... کیا یہ دشمن ملک کا علاقہ ہے۔'' یہ کہتے وقت انسپکٹر جمشید کا دل بھی دھڑک اٹھا۔

''نہیں... یہ دشمن ملک کا علاقہ بھی نہیں ہے... میں نے کہا نا... یہ آزاد علاقہ ہے۔'' وہ بولا۔

''ہم دراصل پاک لینڈ کے دارالحکومت سے چلے تھے... اور بافام کی طرف آئے ہیں، لیکن راستہ بھول گئے... ہم تو اس طرف راستہ پوچھنے کے لیے آئے ہیں... اور بس... آپ ہمیں بافام کا راستہ بتا دیں... ہم یہیں سے واپس چلے جائیں گے۔''

''ہوں... تم لوگوں کو بافام کا راستہ بتا دیا جائے گا... لیکن ہمارے سردار کے سامنے تو تمہیں پیش ہونا ہی پڑے گا... کیونکہ ان کی ہدایات یہی ہیں...''

''ٹھیک ہے... کوئی حرج نہیں... چلیے... ہم چلنے کے لیے تیار ہیں۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''اگر تم چلنے کے لیے تیار نہیں ہو گے تو بھی تمہیں لے جایا جائے گا۔'' اس کا لہجہ سخت تھا۔

''آپ کا لہجہ دوستانہ نہیں ہے... ہم بتا چکے ہیں کہ راستہ بھول کر اس طرف آ نکلے ہیں... ہم نے آپ کے علاقے کی کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا... کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔''

''ٹھیک ہے... ہم تم لوگوں کو دوستانہ انداز میں سردار تک لے جائیں گے... ان کی ہدایات یہی ہیں کہ کچھ اجنبی لوگ ہمارے علاقے میں آ جائیں... چاہے راستہ بھول کر آ جائیں... انہیں ان کے سامنے ضرور پیش کیا جائے۔''

''اس کا مطلب ہے، ایسا پہلے بھی ہوتا رہتا ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا۔

''وہ بھی تم لوگ سن ہی لو گے۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''میں پھر کہتا ہوں... آپ کی مسکراہٹ بھی دوستانہ نہیں ہے... اس لیے ہمیں بتادیں، کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو۔''

''سردار کے سامنے پیش کرنے کے سوا ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔''

''اچھی بات ہے... لے چلو پھر۔''

اب انہیں چاروں طرف سے گھیرے میں رکھ کر ایک سمت میں لے جایا گیا۔ آبادی کے مکان اونچی نیچی جگہوں پر بنائے گئے تھے۔ یہاں تک کہ پہاڑ کی بلندی تک نظر آرہے تھے۔ آگے چل کر انہیں بھی پہاڑ پر چڑھنا پڑا:

''بھئی کیا پہاڑ کی چوٹی تک جانا پڑے گا۔''

''نہیں... پہاڑ کے درمیان تک۔''

''اچھی بات ہے؟'' انہوں نے منہ بنایا۔

''میں تو کہتا ہوں جمشید...'' پروفیسر داؤد نے کچھ کہنا چاہا۔

''نہیں پروفیسر صاحب... سردار سے ملاقات کر ہی لیں۔''

''اچھی بات ہے... جیسے تمہاری مرضی۔''

وہ اوپر کی طرف قدم اٹھاتے رہے... چڑھائی زیادہ مشکل نہیں تھی... کیونکہ پہاڑ کی چڑھائی بتدریج تھی... آخر وہ پہاڑ کے درمیان تک پہنچ گئے۔ اس جگہ ایک سفید رنگ کا بڑا سا مکان بنا تھا... اس کے سامنے کافی وسیع ہموار میدان تھا... سارا میدان گھاس اور پھولوں کے پودوں سے ڈھکا تھا... مکان کے بالکل سامنے گھاس پر ایک بڑا سا تخت بچھا تھا... اس پر ایک بہت بھاری بھرکم آدمی نیم دراز تھا... اس کی موٹی موٹی آنکھیں بہت خوفناک تھیں... اس کے ہاتھ میں ایک خوفناک سا

ڈنڈا تھا... ڈنڈا بالکل سیاہ رنگ کا تھا اور سانپ کی طرح بل دار تھا... اس کی نظریں ان پر جم گئیں... انہیں اوپر آتے اس نے پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔

''کون ہیں یہ لوگ بھیکو۔'' اس کی موٹی اور بھدی آواز سنائی۔

''ہم نہیں جانتے سردار اشہیا... ان کا کہنا ہے... یہ راستہ بھول کر ہماری بستی میں آنکلے ہیں... اور صرف راستہ پوچھنا چاہتے ہیں۔''

''اور ہم انہیں راستہ بتائیں گے بھیکو... انہیں کالے کمرے میں بند کردو۔ صبح ان سے ملاقات کی جائے گی... آج شمی کی رات ہے، لہٰذا پہلے شمی سے انصاف کروں گا...'' یہ کہتے ہوئے وہ بھیانک انداز میں ہنسا... اس کے سانولے رنگ پر سفید دانت اور زیادہ خوفناک لگے۔

''بہت اچھا سردار!''

''کیا مطلب... یعنی آپ لوگ ہمیں رات بھر ایک کمرے میں قید رکھیں گے... اور یہ شمی کون ہے۔''

عین اس لمحے ان کے کانوں میں ایک بہت درد بھری آواز تیر گئی۔

☆☆☆

شمی

''یہ... یہ کیسی آواز تھی۔'' انسپکٹر جمشید کے منہ سے مارے حیرت کے نکلا۔

''یہی تو شمی ہے... دلہن بنی اندر بیٹھی ہے... آج رات یہ میری بیوی ہے... صبح یہ دریا میں ہوگی۔''

''کیا مطلب؟'' ان سب کے منہ مارے حیرت کے نکلا۔

''ارے... م... میں بھلا تمہیں کیوں بتا رہا ہوں... تم کون ہوتے ہو مجھ سے کچھ پوچھنے والے... چلو تم انہیں کالے کمرے میں لے جاؤ... اور دیکھو! یہ فرار نہ ہونے پائیں... ان کے اچھے پیسے مل جائیں گے۔''

''کیا کہا... اچھے پیسے مل جائیں گے۔'' فاروق نے مارے حیرت اور خوف کے کہا۔

''ہاں! یہی کہا ہے... لیکن بات ابھی تمہاری سمجھ میں نہیں آئے گی... سمجھ میں اس وقت آئے گی جب... اوہو... پھر وہی... میں تمہیں کیوں کچھ بتاؤں... لے جاؤ انہیں۔''

''چلو۔'' وہ لگے انہیں دھکیلنے... لیکن انسپکٹر جمشید اپنی جگہ پر اڑ گئے... وہ انہیں ہلا بھی نہ سکے۔

''نہیں ہلا سکو گے۔'' وہ مسکرائے۔

''کیا مطلب؟'' وہ سب ایک ساتھ بولے۔

''جب تک سردار ہمیں تفصیل نہیں بتائے گا... اس وقت تک تم مجھے کالے کمرے میں نہیں لے جا سکو گے۔''

''لیکن کیوں... ہم مل کر کئی آدمی تمہیں اکیلے کو کیوں نہیں ہلا سکتے۔'' ان میں سے ایک نے حیران ہو کر کہا۔

''زور لگا کر دیکھ لو۔'' انہوں نے کہا۔

ایک بار پھر انہوں نے مل کر زور لگایا... ایسے میں سردار کی آواز ابھری:

''تم سب ایک طرف ہٹ جاؤ... میں اکیلا ہلاؤں گا اسے اور کمرے میں بند کر کے دکھاؤں گا۔''

''بہت خوب سردار! یہ ہوئی نا بات۔''

سردار اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے پاس آیا... اور کافی بے فکری سے آیا... جیسے اسے ان کی طرف سے کوئی خطرہ نہ ہو... ویسے وہ تھا بھی بہت ڈیل ڈول والا... اور جونہی وہ ان کے نزدیک آیا... انہوں نے اس کی گردن پلک جھپکتے میں دبوچ لی... ساتھ ہی وہ غرائے:

''اگر ذرا سی حرکت کی تو گردن کی ہڈی ٹوٹ جائے گی... پھر شکایت نہ کرنا کہ میں نے خبردار نہیں کیا تھا۔''

''لیکن ابا جان! اس صورت میں یہ بے چارہ شکایت کرنے کے

قابل رہ کب جائے گا۔''

''اوہ ہاں! یہ تو میں بھول ہی گیا۔'' وہ مسکرائے۔

ادھر سردار کا رنگ اڑ چکا تھا... یہ دیکھ کر اس کے آدمی چاروں طرف سے لپکے:

''خبردار اگر تم نے ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو سردار کی گردن ٹوٹ جائے گی... بے شک تم خود اس سے پوچھ لو۔''

ان کے قدم رک گئے... انسپکٹر جمشید نے اس کی گردن پر قدرے دباؤ بڑھا دیا اور بولے:

''ہاں... انہیں بتاؤ... تم کس پوزیشن میں ہو۔''

''تم سب اپنی اپنی جگہ پر کھڑے رہو... اور تم میری گردن چھوڑ دو... میں تمہارے سوالات کے جوابات دینے کے لیے تیار ہوں۔''

''یہ ہوئی نا بات... پہلے بتاؤ... یہ لڑکی والا کیا معاملہ ہے۔''

''پہلے میری گردن تو چھوڑو... اس حالت میں کیسے کچھ بتا سکتا ہوں۔'' اس نے تلملا کر کہا۔

''نہیں... اسی حالت میں بتاؤ۔'' انہوں نے فوراً کہا۔

''اچھی بات ہے... ہمارے ہاں ہر سال ایک لڑکی کو دریا میں ڈالا جاتا ہے... اگر ہم ایسا نہ کریں تو دریا خوفناک تباہی پھیلاتا ہے۔''

''یہ تم لوگوں کا وہم ہے... بھلا دریا کو کیا لینا کسی لڑکی کی لاش سے... یہ سب فضول باتیں ہیں... تم ہمارے کہنے سے لڑکی کو دریا میں نہ ڈالو۔''

''کیسے نہ ڈالیں... اس طرح تو ہماری پوری بستی غرق ہو جائے

گی۔''

''نہیں ہو گی...''

''تم اپنی باتیں اپنے پاس رکھو۔''

''اچھا! یہ بات ہے... تو پھر یہ لو۔'' یہ کہتے ہی انہوں نے اس کی گردن پر بے تحاشہ دباؤ بڑھا دیا... وہ بڑی طرح بے قرار ہو گیا۔

''ٹھہرو...'' اس نے چلا کر کہا۔

انسپکٹر جمشید نے دباؤ کم کر دیا:

''تم میری گردن چھوڑ دو... اب ہم تمہاری ہر بات مانیں گے... تم ضرور کوئی دیوتا ہو... دیوتا۔'' اس نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''میں انسان ہوں... سمجھے... ہاں اب اس لڑکی کے بارے میں بتاؤ۔''

''ہم ہر سال دریا میں ایک لڑکی کو ڈالتے ہیں... اگر ایسا نہ کریں تو دریا بھر جاتا ہے... اپنے کناروں سے اُبل پڑتا ہے... اور معاملہ ہمارے بس سے باہر ہو جاتا ہے... پھر وہ تباہی مچتی ہے کہ کیا بتاؤں۔''

''میں نے کہا نا... یہ سب غلط ہے... فضول بات ہے۔''

''جی نہیں... ہمارے ذاتی تجربات ہیں۔'' سردار نے فوراً کہا۔ ''اور تمہارے کہنے پر ہم بستی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتے۔''

''اور یہ لڑکی ہے کس کی۔''

''ہم لوگ قرعہ اندازی کرتے ہیں... یعنی آبادی میں جتنی بالغ

لڑکیاں ہوتی ہیں، ان کے نام ایک ایک کاغذ پر لکھ لیتے ہیں... پھر ان کاغذوں کو تہہ کر لیتے ہیں... اور سب کو خوب ملا جلا کر زمین پر پھینک دیتے ہیں۔ پھر کسی چھوٹے سے بچے سے ان میں سے ایک پرچی اٹھوائی جاتی ہے... جس لڑکی کا نام اس طرح آ جاتا ہے... بس اسے دریا میں ڈبو دیا جاتا ہے... اب چونکہ اسے تو دوسری صبح دریا میں ڈوبنا ہی ہوتا ہے... لہٰذا اس سے اگر دل بہلا لیا جائے تو کیا حرج ہے... اور یہ حق سردار کو پہنچتا ہے... لہٰذا کل جس لڑکی کو دریا غرق کرنا ہے... وہ اس وقت میرے گھر میں ہے... اور یہ بھی بتا دوں کہ لڑکی کو پہلے دلہن کی طرح سجایا جاتا ہے... بس یہ ہے تفصیل۔''

''اور بستی کے لوگ کچھ نہیں بولتے... کچھ نہیں کہتے۔''

''طاقت تو میرے ہاتھ میں ہے... یہ بات وہ بھی جانتے ہیں کہ اگر ایک لڑکی کو دریا کی بھینٹ نہ چڑھایا جائے تو وہ ابل پڑتا ہے... اور پھر پوری بستی کے ڈوبنے کا خطرہ ہوتا ہے... پوری بستی کو بچانے کے لیے کسی گھر کی ایک بچی کو قربان کر دیا جاتا ہے... لہٰذا اس پر کوئی اعتراض کیسے کر سکتا ہے... رہ گیا وہ گھرانہ جس کی بچی ہوتی ہے... ظاہر ہے... اس پر رنج اور غم سوار ہوتا ہے... لیکن کوئی اس میں کیا کر سکتا ہے...''

''یہ سب فضول باتیں ہیں... دریا ہر سال اس لیے اُبل پڑتے ہیں کہ ان میں سیلاب آ جاتا ہے... شدید گرمی کے موسم میں پہاڑوں پر جمی برف پگھلتی ہے... تو پانی نشیب کی طرف چل پڑتا ہے... اب ظاہر ہے... وہ دریاؤں ہی کا رخ کرے گا... آپ لوگ اتنی بات نہیں سمجھتے۔''

''بالکل سمجھتے ہیں... لیکن اگر ہم لڑکی کو ڈبو دیتے ہیں تو وہ فوراً کیوں اُتر جاتا ہے۔'' سردار نے سوال کیا۔

''جس طرح دریا اچانک اُبل پڑتے ہیں... اسی طرح اچانک اُتر بھی جاتے ہیں... اس کا تعلق کسی بھینٹ وغیرہ سے نہیں ہے۔''

''تم غلط کہتے ہو... خود تمہاری کتابیں بتاتی ہیں کہ چودہ سو سال پہلے دریائے نیل میں بھی اسی طرح لڑکی کو ڈالا جاتا تھا... اگر وہ لوگ لڑکی کی بھینٹ نہیں چڑھاتے تھے تو دریا سوکھ جاتا تھا۔''

''ہاں! یہ ٹھیک ہے... لیکن جب کچھ روشن خیال لوگ وہاں پہنچ گئے تو انہوں نے اس رسم کو بند کرا دیا تھا... اور اس کے بعد دریائے نیل کبھی نہیں سوکھا...''

''ہوگا... ہمارے ہاں ایسا نہیں ہے... ہاں اگر تم دریا کو اُبلنے سے روک سکو تو ہم ضرور مان لیں گے۔''

''آپ کے پاس صبح تک کا وقت تو ہے نا... صبح ہی آپ اس بے چاری کو دریا میں ڈالیں گے نا۔''

''ہاں بالکل!'' سردار نے فوراً کہا۔

''تو بس پھر... صبح پہلے دریا کو دیکھ لیں... پھر بات کریں۔''

''اچھی بات ہے... اگر دریا اتر گیا تو ہم اس رسم کو بند کر دیں گے...''

''بس تو پھر! اب اس لڑکی کو اس کے گھر بھیج دو...''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے... یہ رات تو بہرحال میں اس کے ساتھ گزاروں گا۔''

''یہ غلط ہوگا... ہم تمہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔''

''اور تم ہوتے کون ہو... اجازت نہ دینے والے... وہ تو تم داؤ کھیل گئے، اب تم ہی ہمارے قابو میں ہو... چاروں طرف سے تم پر رائفلیں تنی ہیں۔''

''کیا واقعی۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''دیکھ لو... نظر نہیں آرہا کیا؟''

انہوں نے پچھلی طرف دیکھا، سو کے قریب رائفل بردار لوگ انہیں گھیرے میں لیتے چلے جا رہے تھے... اب اگر وہ خود کو ان کے حوالے کر دیتے... اور بات صبح پر چھوڑ دیتے تو لڑکی بے چاری کے ساتھ ظلم ہوتا... اور یہ وہ کسی طرح برداشت نہیں کر سکتے تھے... چنانچہ انہوں نے فوراً کہا:

''پروفیسر صاحب! آپ ان سے بات کریں۔''

''اچھی بات ہے جمشید......''

پروفیسر صاحب پہلے ہی تیار تھے... ان کے ہاتھ میں ایک خاص ایجاد موجود تھی... انہوں نے اس کی پن نکالی اور زمین پر دے ماری... آن کی آن میں ہر طرف دھواں ہو گیا... ساتھ ہی وہ پوری رفتار سے ایک سمت میں دوڑ پڑے... اور وہ سمت تھی سردار کی... کیونکہ ابھی تک دشمن وہاں نہیں پہنچا تھا... دائرہ مکمل نہیں ہوا تھا... وہ نکلتے چلے گئے اور دھوئیں کی حد سے باہر آ گئے... دوسری طرف دشمن اس حملے کے لیے تیار نہیں تھا... وہ دھوئیں کے اثر سے بچ نہ سکے اور گرتے چلے گئے...

انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی دھوئیں کے چھٹنے کا انتظار کرتے رہے... جب مطلع صاف ہو گیا تو انہوں نے دیکھا... وہ سب کے سب لمبے لیٹے ہوئے تھے اور مکمل طور پر بے ہوش تھے:

''پروفیسر صاحب! یہ کتنی دیر تک ہوش میں آئیں گے۔''

''آدھ گھنٹے سے پہلے نہیں۔'' وہ بولے۔

''تو پھر آئیے... ہمارے پاس آدھ گھنٹا ہے...''

یہ کہتے ہی وہ سردار کے گھر میں داخل ہو گئے... وہاں وہ لڑکی دلہن بنی بیٹھی تھی... اس کا رونا اب بھی جاری تھا... اور وہ زور زور سے سسکیاں لے رہی تھی... لڑکی نے چونک کر ان کی طرف دیکھا:

''دیکھو... ہم تمہاری جان بچانے کی کوشش کر رہے ہیں... ہمارے پاس صرف آدھ گھنٹا ہے... اس کے بعد یہ ہوش میں آ جائیں گے... میرا مطلب ہے سردار اور ان کے ساتھی... ہم نے انہیں دھوئیں کے بم کے ذریعے بے ہوش کیا ہے... لہٰذا تم فوراً اٹھو... اور ہمیں اپنے گھر تک لے چلو... تاکہ ہم تمہارے ماں باپ کو بھی ساتھ لے لیں... ہم تم لوگوں کو اس بستی سے نکال کر لے جائیں گے... اور تمہیں ایک محفوظ مقام کے ساتھ خوش گوار زندگی بھی نصیب ہو سکے گی۔''

''کیا تم تیار ہو۔''

''ہاں! میں نے آپ لوگوں کی سردار کے ساتھ ساری بات چیت سنی ہے... آئیے جلدی کریں۔''

انہوں نے لڑکی کے گھر کی طرف دوڑ لگا دی... جب وہ مکانات کے نزدیک پہنچ گئے تو لوگ بھی گھروں سے نکل آئے اور انہیں

آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے... ایسے میں لڑکی کے ماں باپ بھی باہر نکل آئے... وہ لڑکی سے لپٹ گئے... لڑکی نے انہیں مختصر الفاظ میں ساری بات بتائی... پھر وہ وہاں سے بھاگ نکلے... دوڑ لگانے سے پہلے انسپکٹر جمشید نے ان لوگوں سے کہا:

''اگر تم لوگ اس سردار اور اس کے ساتھیوں کے ظلم وستم سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو ہم لوگ پھر یہاں آسکتے ہیں اور پوری تیاری سے آئیں گے... آپ لوگ کیا کہتے ہیں...''

''ہم آپ کا انتظار کریں گے... آپ تو ہمارے لئے نجات دہندہ ہیں۔''

''بس تو پھر ہم ضرور آئیں گے... ان شاء اللہ!''

اور انہوں نے دوڑ لگا دی... ایسے میں انسپکٹر جمشید نے گھڑی پر نظر ڈالی... آدھ گھنٹا پورا ہونے والا تھا...

''فاصلہ ابھی کافی ہے... اور ادھر ان کے ہوش میں آنے کا وقت ہو گیا ہے... ہوش میں آتے ہی یہ لوگ ہماری طرف دوڑ پڑیں گے... پروفیسر صاحب... آپ کے پاس کوئی اور دھوئیں کا بم ہے۔''

''ہاں جمشید... ایک اور ہے... دوسری چیزیں بھی موجود ہیں... لیکن وہ اتنے بہت سے آدمیوں کے لیے کافی نہیں ہوں گی... لہٰذا بھاگ چلو۔''

''بھاگ تو رہے ہیں انکل۔'' فاروق نے منہ بنایا۔

اور وہ مسکرا دیے... وہ مسلسل بھاگتے رہے... یہاں تک کہ اپنی گاڑی کے پاس پہنچ گئے۔

عین اس لمحے ان کے اٹھتے قدم رک گئے... اور پھر وہ اوندھے منہ گرے:

☆☆☆

بری خبر

ان کے اوپر ایک وزنی چیز گری تھی... اور وہ اس کے گرتے ہی بری طرح اُلٹ گئے تھے... لہٰذا اوندھے منہ نہ گرتے تو کیا ہوتے... اب انہوں نے دیکھا... وہ ایک بھاری بھرکم جال تھا... بہت موٹی رسیوں سے تیار کیا گیا تھا... غالباً شیر یا ہاتھی پکڑنے کے لیے ایسے جال استعمال کیے جاتے ہیں... اب انہوں نے اٹھنے کی کوشش شروع کی... اٹھ کر تو وہ بیٹھ گئے... لیکن جال کے وزن سے جھکے جا رہے تھے... اس حالت میں انہوں نے اپنے چاروں طرف کا جائزہ لیا... آس پاس کوئی بھی نظر نہ آیا... اس وقت انسپکٹر جمشید چلائے:

''محمود... اپنا چاقو نکالو۔''

محمود نے فوراً چاقو نکالا اور انہیں دے دیا... انہوں نے اس کے ذریعے جال کو کاٹنا شروع کیا... جلد ہی وہ اس میں سے نکل آئے... لیکن ابھی نکلے ہی تھے کہ ان پر چاروں طرف سے فائرنگ شروع ہوگئی... اور ساتھ ہی اعلان کیا گیا... ہاتھ اوپر اٹھا دو... ورنہ بھون کر رکھ دیں گے۔''

انہوں نے محسوس کیا... آواز کسی درخت پر سے آئی تھی... اس کا مطلب تھا... ان کے دشمن درختوں میں چھپے ہوئے تھے... جب کہ وہ نیچے تھے... اور اوپر حملہ کرنے کے لیے انہیں اوپر دیکھنا پڑتا... اور اس سے پہلے ان کے دشمنوں کی طرف سے فائرنگ ہو جاتی... یہ بات محسوس کرتے ہی ان کے ہاتھ اوپر اٹھتے چلے گئے:

''بہت خوب... ٹنگو... ان کا اسلحہ لے لو۔''

''م... میں... یعنی کہ میں لوں سر۔'' ایک اور پتلی سی آواز سنائی دی۔

''ہاں تم ہی لو گے... اور کیا میں لوں گا ان سے اسلحہ۔'' باس کی ناخوش گوار آواز سنائی دی۔

''او کے سر۔''

ایک دبلا پتلا لڑکا ایک درخت پر سے کود کر ان کی طرف بڑھا... اس نے ان کے پستول لے لیے:

''بھئی اس بوڑھے کی تلاشی اچھی طرح لو... اسی نے دھوئیں کا بم مارا تھا۔''

''او کے سر۔''

اب پروفیسر داؤد کی تلاشی لی گئی... اور ان کی تمام چیزوں پر قبضہ کر لیا گیا... تاہم وہ برابر مسکرا رہے تھے:

''چلو انہیں واپس بستی میں لے جانا ہے... تا کہ ہمارا دوست اشمیا خوش ہو جائے... اس سے بڑا تحفہ اس کے لیے کیا ہو سکتا ہے۔''

''او کے باس۔'' کسی نے کہا اور پھر ان کا رخ بستی کی طرف

ہو گیا۔

جلد ہی وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں انہوں نے سردار اور اس کے ساتھیوں کو بے ہوش کیا تھا۔ وہ لوگ ہوش میں تو آ چکے تھے، لیکن ابھی تک لمبے لیٹے ہوئے تھے... تاہم ان سب کو آتے دیکھ کر وہ یک دم اٹھ کھڑے ہوئے:

"ارے! یہ ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔" سردار چلایا۔

"بھئی! ہم آخر دوستوں کے دوست ہیں... آڑے وقت کام نہیں آئیں گے۔" باس کی آواز سنائی دی۔

اب تک وہ صرف اس کی آواز سنتے رہے تھے... وہ غالباً اپنے سب ساتھیوں سے پیچھے تھا... لیکن اب وہ ان کے سامنے آ گیا... انسپکٹر جمشید کی نظر اس کے چہرے پر پڑیں تو وہ الجھن کا شکار ہو گئے... ان کی پیشانی پر لکیریں اُبھر آئیں تاہم انہوں نے فوراً ہی خود پر قابو پا لیا اور پرسکون نظر آنے لگے... ادھر سردار کہہ رہا تھا:

"واہ میرے دوست واہ... یہ کام دکھایا ہے تم نے... میں تو سوچ رہا تھا کہ یہ لوگ ہاتھ سے نکل گئے۔"

"بھئی ہمارے ہوتے ہوئے ایسا کیسے ہو سکتا ہے... اب ان لوگوں کو باندھ لو... اور اپنی دلہن کو اپنے گھر لے جاؤ... عیش کرو... اچھا پھر ملیں گے۔"

"نہیں نہیں... پہلے ہم ان لوگوں کو باندھ لیں... کیونکہ یہ کافی خطرناک لگتے ہیں۔" سردار چلا اٹھا۔

اور پھر انہیں باندھنے کے لیے بہت سے لوگ ٹوٹ

پڑے... جلد ہی وہ بری طرح جکڑے نظر آئے:

"اب تو ہمیں اجازت ہے۔"

"ہاں دوست... تمہارا بہت بہت شکریہ... اس زبردست مدد کے سلسلے میں کل تم سب کی ہمارے ہاں دعوت رہی۔"

"او کے... مزہ رہے گا۔"

اور پھر وہ حملہ آور چلے گئے... سردار نے لڑکی کو بازو سے پکڑا اور اسے اپنے گھر کی طرف گھسیٹنے لگا... اب وہ ایک بار پھر چیخ اور چلا رہی تھی... گردن موڑ موڑ کر ان کی طرف دیکھ رہی تھی... اب اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے ساتھ خوف بھی تھا:

"خوب چیخو... چلاؤ... اب یہ لوگ تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکیں گے... میں انہیں یہیں ان کے حال پر چھوڑ رہا ہوں... ان میں ہمت ہے... طاقت ہے تو یہ ان رسیوں کو تڑا لیں... ہاتھ پاؤں آزاد کرا لیں... اور جو کر سکتے ہیں، کر لیں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہ گھر میں داخل ہو گیا... اس نے زوردار آواز کے ساتھ دروازہ بند کر لیا... اس کے ساتھ ہی اس کے تمام ساتھی وہاں سے لوٹ گئے... ان کی نگرانی کی بھی انہوں نے کوئی ضرورت نہ سمجھی... گویا وہ سمجھتے تھے کہ ان رسیوں سے آزاد ہونا ان کے بس کی بات نہیں... ادھر وہ مڑے... ادھر محمود اور انسپکٹر جمشید حرکت میں آ گئے... محمود اپنے جوتے کی ایڑی ان کے پاؤں کے پاس لے آیا... انہوں نے پاؤں کے انگوٹھے کی مدد سے اس کے جوتے کی ایڑی سرکانے کی کوشش شروع کی... یہاں تک کہ وہ اس طرح چاقو باہر گرانے میں کامیاب ہو

گئے۔ اب انہوں نے منہ کے ذریعے چاقو پکڑ لیا... محمود اپنا منہ ان کے
منہ کے قریب لے آیا... اس نے چاقو کا پھل دانتوں سے دبا لیا... اب
دونوں نے زور لگایا تو چاقو کھل گیا... انسپکٹر جمشید چاقو کو منہ سے پکڑے
رہے اور محمود نے منہ پیچھے کر لیا، اب وہ اپنی کمر ان کے منہ کی طرف لے
آیا... انہوں نے اس کے ہاتھوں پر بندھی رسی پر چاقو پھیرنا شروع کیا...
جلد ہی رسی کٹ گئی... اب ان کا کام آسان تھا... محمود کے ہاتھ آزاد
ہوئے تو اس نے سب سے پہلے اپنے والد کی رسیاں کاٹ ڈالیں... اس
طرح باری باری سب کی رسیاں کٹ گئیں... انسپکٹر جمشید نے تیر کی طرح
سردار کے دروازے کا رخ کیا اور دروازے پر دستک دی... اندر سے
فوراً کہا گیا:

''یہ کون بدتمیز ہے۔''

''یہ میں ہوں سردار... فوراً دروازہ کھولو... ایک بڑی خبر
ہے...'' انہوں نے باس کی آواز میں کہا۔

دروازہ فوراً کھل گیا... ساتھ ہی سردار کی ٹھوڑی پر ایک
زوردار مکا لگا... وہ الٹ کر گرا... ادھر انسپکٹر جمشید اندر داخل ہو گئے...
سردار بوکھلا کر سیدھا ہوا تو اس کی نظر ان پر پڑی... اب اس کا منہ حیرت
کے مارے کھل گیا:

''یہ... یہ کیسے ہو سکتا ہے۔''

''یہ ایسے ہو سکتا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے اسے ایک مکا
اور رسید کر دیا۔ وہ پھر گرا... تاہم کچھ دیر بعد اٹھنے میں کامیاب ہو گیا۔

ادھر انہوں نے دیکھا... لڑکی بستر پر سکڑی سمٹی بیٹھی آنسو

بہا رہی تھی:

''اب بتاؤ... یہ باس کون ہے... جو ہمیں گھیر کر یہاں تک لایا
تھا۔''

''وہ سرحد کا آفیسر ہے۔''

''کون سی سرحد کا... کیا پاک لینڈ کا ملازم ہے یا کسی دوسرے
ملک کا۔''

''یہ... یہ مجھے معلوم نہیں۔'' اس نے فوراً کہا۔

ساتھ ہی اس کے منہ پر ایک مکا اور لگا... اس بار وہ
الٹ گیا:

''لڑکی اسے مارو'' انسپکٹر جمشید بولے۔

''نن... نہیں مجھ سے یہ نہیں ہو گا۔'' وہ کانپ گئی۔

''میں کہتا ہوں، اسے مارو۔''

''میرے ہاتھ سے بھلا اسے کیا چوٹ لگے گی...'' لڑکی نے
گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہاں واقعی... یہ تو ہے... خیر تمہاری طرف سے اس کی مرمت
ہم کرتے ہیں... چلو بھئی... اس کے ایک ایک دو دو ہاتھ رسید کرو۔''

محمود، فاروق، فرزانہ اور خان رحمان نے اس کے ایک
ایک دو دو مکے رسید کیے... البتہ پروفیسر داؤد آگے نہ بڑھے:

''آپ حصہ نہیں لیں گے۔''

''میرے ہاتھ سے بھی بھلا اسے کیا تکلیف محسوس ہو گی۔''

''ہوں... واقعی... خیر آپ کی طرف سے میں مرمت کیے دیتا

ہوں۔''

''ن... نہیں... بس... بہت ہوگئی۔'' وہ دونوں ہاتھ آگے کرتے ہوئے بولا۔

''تب پھر بتاؤ... یہ باس کون ہے۔''

''وہ... آپ سربوگرا کے بارے میں پوچھ رہے ہیں؟'' اس نے جلدی سے پوچھا۔

''ہاں! اسی کے بارے میں... جس نے ہمارے مقابلے میں تمہاری مدد کی ہے۔''

''میں اس کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتا...''

''جھوٹ... بالکل جھوٹ۔''

''بات یہی ہے... آپ یقین کریں۔''

''اچھا اتنا بتادو... وہ اپنے ساتھیوں سمیت کہاں رہتا ہے۔''

''میں یہ بھی نہیں جانتا... اتنا بتا سکتا ہوں کہ پہاڑوں کے اس پار سے جب چاہتا ہے آجاتا ہے... مجھ سے ملاقات کرتا ہے اور چلا جاتا ہے۔''

''وہ تم سے کس سلسلے میں ملاقات کرتا ہے۔''

''بس یونہی۔''

''ہم اس بات پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں... محمود، فاروق اسے باہر لے چلو... یہ یوں نہیں مانے گا... لڑکی تم اپنے گھر چلی جاؤ...''

''اور اور... یہ۔''

''یہ... یہ اب تمہیں پریشان نہیں کرسکے گا... فکر نہ کرو۔''

لڑکی تیر کی طرح نکلی اور بھاگ کھڑی ہوئی... اب وہ اسے باہر لے آئے... باہر رسیاں بکھری پڑی تھیں... ان سے اسے باندھا گیا... پھر ایک درخت سے الٹا لٹکایا گیا...

''ہاں! اب بتاؤ... سربوگرا کون ہے... کیا ہے... تمہارا اس سے کیا تعلق ہے۔''

''میں نہیں بتاؤں گا... تم جو کرسکتے ہو... کرگزرو۔'' وہ چیخا۔ پھر اس نے منہ سے ایک بہت عجیب اور طویل آواز نکالی... وہ اس آواز کو سن کر چونک اٹھے۔

''کیا یہ کسی قسم کا اشارہ ہے... تم نے اپنی مدد کے لیے اسے بلایا ہے۔'' انسپکٹر جمشید نے سرد آواز میں کہا۔

''ہاں! بلایا ہے... اسے نہیں بلاؤں گا تو کیا کروں گا۔''

''اوکے... اب اسے بھی آہی لینے دو... چلو بھئی... پوزیشن لے لو۔''

انہوں نے درختوں کی اوٹ لے لی... اپنے ہتھیار ہاتھوں میں لے لیے... پروفیسر داؤد بھی تیار ہوگئے...

''وہ کتنی دیر میں آجائیں گے بھلا... اور کیا تمہاری آواز ان تک پہنچ گئی ہوگی۔''

''ہاں بالکل... وہ دس منٹ تک یہاں ہوں گے... اور تم میں سے ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے... وہ اب بڑی تعداد میں آئیں گے اور آن کی آن میں تم لوگوں کو گھیرے میں لے لیں گے... پھر یہ درختوں کی

اوٹ تمہارے کس کام آئے گی... ہاہاہا... پھر میں اس لڑکی کو پکڑ کر لاؤں گا اور اس سے کہوں گا... پکارو اب اپنے مددگاروں کو... لیکن اس وقت تم اس کی مدد کو نہیں پہنچ سکو گے۔''

''اچھا! یہ بات ہے... وہ اتنی بڑی تعداد میں آئیں گے۔''

''ہاں! ہمارے درمیان اشارے مقرر ہیں... اس وقت میں نے جو آواز نکالی ہے... وہ زیادہ مدد کے لیے ہے... کسی ضرورت کے لیے بلاتا تو آواز دوسری نکالتا۔'' اس نے بتایا۔

''اچھا! یہ بات ہے... خیر... اب ہم بھی ذرا دوسرے انداز سے تیاری کر لیتے ہیں۔'' انسپکٹر جمشید نے کہا اور پھر اپنے ساتھیوں کو خفیہ انداز میں ہدایات دیں... اس کے بعد وہ بہت تیزی سے پیچھے ہٹتے چلے گئے... دشمن کے آنے کی سمت انہیں معلوم تھی... جب کہ دشمن کو یہ معلوم نہیں کہ انہوں نے کہاں کہاں پوزیشن لے رکھی ہے...

اور پھر دس منٹ بعد بے شمار گھوڑوں کے ٹاپوں سے جنگل گونج اٹھا:

''یہ... یہ تو ایسا لگتا ہے جیسے کوئی پورا لشکر ہمارے مقابلے پر آ رہا ہے۔'' فاروق نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اللہ مالک ہے۔'' محمود کی آواز ابھری۔

''بس... بولو نہیں... ہماری آواز کی گونج ان تک پہنچ سکتی ہے... سردار کی آواز میں اتنی طاقت نہیں کہ اس قدر فاصلے پر پہنچ جائے... یہ تو ان پہاڑوں کی وجہ سے ہے...'' پروفیسر داؤد نے دبی آواز میں کہا۔

''اوہ ہاں۔''

اور پھر وہ سب خاموش ہو گئے... جلد ہی دشمن اس جگہ پہنچ گیا جہاں انہوں نے سردار کو درخت سے لٹکایا تھا... پھر انہوں نے اسی دشمن کو آگے بڑھتے دیکھا... جس کا نام سردار نے سربوگرا بتایا تھا اور جس نے انہیں باندھ لیا تھا... اس کے ہاتھ میں کلاشنکوف تھی... اس کے باقی ساتھی بھی ہر طرح اسلحے سے لیس نظر آ رہے تھے... اور ان کی تعداد تین سو سے کسی طرح کم نہیں تھی... جب کہ وہ صرف چھ تھے... اس لمحے انسپکٹر جمشید نے محسوس کیا... انہوں نے ایک خطرناک مہم مول لے لی ہے... لیکن وہ کر بھی کیا سکتے تھے... سربوگرا کو دیکھ کر وہ اس سے ٹکر لینے پر مجبور ہو گئے تھے... دوسری بات اس لڑکی کو مصیبت میں نہیں چھوڑ سکتے تھے...

ایسے میں انہوں نے سنا... سربوگرا کہہ رہا تھا:

''وہ کدھر گئے سردار... ہم ان کی بوٹیاں نوچ لیں گے۔''

''انہوں نے یہیں کہیں پوزیشن لے رکھی ہے... سربوگرا... وہ خطرناک لوگ لگتے ہیں۔''

''فکر نہ کرو... آج ان کی ساری خطرناکی نکال دیں گے... وہ ہیں ہی کتنے۔''

''لیکن سربوگرا... پہلے مجھے تو کھولو... میں شدید تکلیف میں ہوں۔''

''اوہ ہاں... سردار کو کھولو بھئی۔'' اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا۔

عین اس لمحے انسپکٹر جمشید نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا کہ

سردار کو کھولنے کے لیے جو لوگ آگے بڑھیں، انہیں نشانہ بنایا جائے...

فوراً ہی چند فائر ہوئے اور چیخیں فضا میں بلند ہوئیں...

سربوگرا کے پیچھے ساتھی گر کر تڑپنے لگے... اس کے ساتھ ہی سربوگرا کے تمام ساتھی گھوڑوں پر سے کود پڑے اور لوٹ لگا گئے... پھر وہ درختوں کی اوٹ لینے لگے... انہوں نے ایک بار پھر فائر کیے... اور پوزیشن لیتے ہوئے چھ اور کام سے گئے...

''چاروں طرف پھیل جاؤ... یہ لوگ بچ کر نہ جانے پائیں۔''

سربوگرا کی آواز ابھری... اس وقت تک وہ بھی ایک درخت کے پیچھے پوزیشن لے چکا تھا...

فائرنگ کی آوازوں سے بدک کر ان کے گھوڑے پہلے تو خوب زور زور سے ہنہنائے پھر ادھر ادھر بھاگ نکلے... جلد ہی میدان گھوڑوں سے صاف ہو گیا تھا... اب انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کو بھی سربوگرا اور اس کے ساتھی نظر نہیں آ رہے تھے... اور خطرہ یہ تھا کہ کہیں وہ اپنا دائرہ وسیع کر کے انہیں گھیرے میں نہ لے لیں... زیادہ تعداد کی وجہ سے ان کے لیے ایسا کرنا ذرا بھی مشکل نہیں تھا... اس خطرے کو بھانپ کر خان رحمان نے پروفیسر داؤد کو اشارہ کیا... انہوں نے دھوئیں کا ایک بم اس طرف اچھال دیا... جس طرف وہ لوٹ لگا گئے تھے... بم ایک درخت سے ٹکرایا اور پھر اس جگہ دھوئیں کا بادل اٹھتا دکھائی دیا... اسی جگہ سردار لٹکا ہوا تھا... وہ بھی دھوئیں میں چھپ گیا... ساتھ ہی دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دی... سربوگرا کے ساتھی سر پر پیر رکھ کر بھاگ رہے تھے... یہ کوشش اس دھوئیں سے بچنے کی تھی... بھاگنے کے دوران ان میں سے بہت سے

گرے... اور بہت سے دھوئیں کی زد سے نکلنے میں کامیاب رہے... جتنے لوگ بچ نکلے، اب وہ انہیں دور دور تک نظر نہیں آ رہے تھے:

''اب یہ لوگ ہمیں گھیرنے کی کوشش نہیں کریں گے... خان رحمان... جلدی بتاؤ... اس وقت ہم کیا کریں۔''

''وہ کافی دور جا کر اپنا دائرہ بنائیں گے... ہمیں اس سے پہلے ایک سیدھ میں نکل جانا چاہیے تاکہ ہم پہلے ہی ان کے دائرے سے باہر ہو جائیں اور... وہ اس خوش فہمی میں آگے بڑھتے رہیں کہ ہمیں گھیرے میں لے چکے ہیں... وہ لمحہ بہ لمحہ گھیرا تنگ کرتے جائیں گے... اور ہم ان کے دائرے کی پشت پر ہوں گے... لیکن صرف ایک سمت میں... پورے دائرے کو تو ہم ابھی زد پر نہیں رکھ سکیں گے... لیکن پھر بھی اس سے اتنا ضرور ہو گا کہ ہم ان کی زد سے باہر ہوں گے۔''

''بہت خوب خان رحمان... اب چونکہ وہ سامنے کی طرف دوڑ لگا گئے ہیں لہٰذا مخالف سمت میں انہیں آنے میں ابھی دیر لگے گی... ہمارے لیے اتنا وقفہ کافی ہو گا... آؤ... دوڑیں۔''

انہوں نے دوڑ لگا دی... جلد ہی وہ اپنے خیال کے مطابق اس حد تک دور نکل آئے کہ ان کے دائرے کے اندر نہیں آ سکتے تھے... اس قدر فاصلے پر پہنچ کر خان رحمان نے کہا:

''بس یہاں ہمیں بلند ترین درختوں پر چڑھ کر خود کو پتوں کے درمیان چھپا لینا چاہیے... اس طرح ہم ان کے دائرے کو دیکھ سکیں گے۔''

''بالکل ٹھیک۔'' انہوں نے ایک ساتھ کہا۔

اور پھر وہ درختوں پر چڑھتے چلے گئے... درخت بہت گھنے
پتوں والے تھے اور ان میں آسانی سے چھپا جا سکتا تھا...
عین اس لمحے فاروق نے ایک خوفناک آواز سنی:

☆☆☆

ہاتھ اُٹھا دو

اس نے چونک کر اپنے سر سے اوپر دیکھا... کیونکہ آواز
اس طرف سے آئی تھی... فوراً ہی اس کی سٹی گم ہو گئی... صرف ایک میٹر
کے فاصلے پر ایک بھمبیر سانپ موجود تھا... اس کا پھن اٹھا ہوا تھا... اور یہ
آواز اس کی پھنکار کی تھی... فاروق کو پسینہ آ گیا... اس نے حرکت کیے
بغیر نظریں ادھر ادھر گھمائیں... سانپ کو نشانہ بنانا مشکل نہیں تھا... پستول
اس کے پاس تھا... اور اس کو جیب سے نکال کر ہاتھ میں لینا کوئی مسئلہ نہیں
تھا... لیکن اس طرح فائر کی آواز گونجتی اور دشمن کو معلوم ہو جاتا کہ وہ کہاں
ہیں... اس طرح یہ ایک خطرناک صورت حال تھی...

دوسری طرف اس کے باقی ساتھی... دوسرے درختوں پر
تھے... درختوں کے درمیان قدرے فاصلہ تھا... اس لیے اگر چہ پھنکار کی
آواز انہوں نے سن لی تھی... لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے... سانپ کون
سے درخت پر ہے... چنانچہ انسپکٹر جمشید نے دبی آواز میں کہا:
''میں نے پھنکار کی آواز سنی ہے... لیکن ہم فائر نہیں کر سکتے۔''
''کم از کم سانپ اس درخت پر نہیں ہے... جس پر میں

ہوں۔'' محمود کی آواز سنائی دی۔

''میرے درخت پر بھی نہیں ہے۔'' خان رحمان بولے۔

''اور نہ میرے۔'' پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی۔ فرزانہ نے بھی کہا۔

فاروق بول نہیں سکتا تھا... اس صورت میں اس بات کا امکان تھا کہ سانپ اس پر حملہ کر دیتا...

ادھر جب وہ نہ بولا تو انسپکٹر جمشید سمجھ گئے کہ سانپ فاروق کے درخت پر ہے... چنانچہ انہوں نے کہا:

''گھبرانا نہیں فاروق اور نہ حرکت کرنا... میں آرہا ہوں۔''

فاروق خاموش رہا... انسپکٹر جمشید بلا کی رفتار سے نیچے اترے اور فاروق والے درخت پر غیر محسوس طور پر چڑھنے لگے... سانپ چونکہ اوپر تھا... اور اس کی نظریں فاروق پر تھیں... اس لیے وہ آواز کے بغیر اوپر چڑھ سکتے تھے... چنانچہ انہوں نے اوپر چڑھنے کا عمل جاری رکھا... یہاں تک کہ وہ فاروق کے نزدیک پہنچ گئے... اب انہوں نے سانپ کو بھی دیکھ لیا... پستول پہلے ہی ان کے ہاتھ میں تھا... انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ... اس پر فائر جھونک مارا... سانپ کے پھن کو اڑ دیا ... ساتھ ہی فاروق کے منہ سے نکلا:

''یا اللہ تیرا شکر ہے۔''

''اب میں پھر اپنے درخت پر جاتا ہوں... تم نے عقل سے کام لیا کہ بولے نہیں اور نہ حرکت کی...''

''لیکن ابا جان... اس درخت پر دوسرا سانپ بھی ہوسکتا

ہے۔''

''اس سانپ کو دیکھ کر تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہاں نہ جانے کتنے سانپ ہوں گے اور اس طرح ہم دوہرے خطرے میں ہیں... خیر تم بھی نیچے آجاؤ... میں پروفیسر صاحب سے مشورہ کرتا ہوں۔''

''میں نے تمہاری بات سن لی جمشید... یہ درخت واقعی خطرناک ہے... لہٰذا ہم نیچے رہ کر دشمن کا مقابلہ کریں گے... اس طرح ہمیں ایک وقت میں دو دو دشمنوں کا سامنا تو نہیں کرنا پڑے گا...''

''لیکن جمشید... اس طرح ہم دشمن کے دائرے کو نہیں دیکھ سکیں گے اور دشمن سے ہمارا اچانک سامنا ہوسکتا ہے... ان کی تعداد تین سو کے قریب ہے... اگر اچانک آمنا سامنا ہوگیا تو ہم کس پوزیشن میں ہوں گے... پہلے یہ سوچ لو۔'' پروفیسر داؤد کی آواز سنائی دی۔

''آپ... آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم درختوں پر ہی رہیں۔''

''ہاں! میں تو یہی کہوں گا... باقی رہے سانپ... ان کا انتظام میں کیے دیتا ہوں... میرے پاس ایک سفوف ہے... اس سفوف کو ہم میں سے ہر ایک اپنے سر کے بالوں میں لگا لے... اس سفوف سے جو گیس خارج ہوگی... اس کی وجہ سے سانپ نزدیک نہیں آئیں گے... بلکہ دور چلے جائیں گے۔''

''یہ سب سے اچھا ہے۔''

اب انہوں نے سفوف بالوں پر مل لیا اور اپنے اپنے درخت پر چڑھ گئے... پروفیسر داؤد کے پاس ایک چھوٹی سی دوربین بھی تھی... وہ اس سے جائزہ لینے لگے... کافی دیر گزرنے پر انہیں آخر دشمن

کا دائرہ نظر آ گیا... انہیں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ وہ اس دائرے سے باہر
تھے... اور اس کا مطلب یہ تھا کہ دشمن اپنے دائرے کو جوں جوں تنگ
کرتا جاتا... وہ ان سے مزید دور ہوتا جاتا... اور ایسا ہی ہوا... دائرہ
آہستہ آہستہ ان سے دور ہوتا چلا گیا...

''اب کیا کریں... یہیں ٹھہریں... یا آگے بڑھیں۔'' انسپکٹر
جمشید نے کہا۔

''پہلے تم بتاؤ جمشید... تم کیا چاہتے ہو...''

''ابھی تو خود مجھے بھی نہیں معلوم کہ میں کیا چاہتا ہوں... ہم
فی الحال حالات کے دھارے میں بہہ رہے ہیں... پہلے اصل مسئلہ اس
لڑکی کا تھا... اسے سردار کے ہاتھوں سے بچانا تھا... لڑکی تو اس وقت تک
اپنے ماں باپ کے ساتھ اس جگہ سے شاید بہت دور جا چکی ہوگی... اور
سردار دھوئیں کا شکار ہو چکا ہو گا... لہٰذا ان حالات میں ہمارے پاس
دو راستے ہیں... ایک یہ کہ ان لوگوں کا خیال چھوڑ دیں اور اپنا راستہ لیں
... دوسرا راستہ یہ ہے کہ ان سے مقابلہ کریں... ہاں خان رحمان... تم
کیا کہتے ہو۔''

''اگر ان فوجیوں سے مقابلہ کرنا ضروری ہے تو ہم مقابلہ کریں
گے... اور اگر ان سے جنگ بے مقصد ہے تو بلا وجہ کیوں الجھیں۔''

''ان سے ہمیں الجھنا تو پڑے گا... ابھی الجھیں یا بعد میں... اگر
ہم اس وقت خاموشی سے واپس چلے جاتے ہیں... تو پھر یہاں اپنی فوج
کے ساتھ آئیں گے اور ان لوگوں سے باقاعدہ جنگ کریں گے...''

''سوال یہ ہے جمشید... ہمیں ان سے جنگ کی ضرورت کیوں

ہے۔''

''اس لیے کہ یہ سارے فوجی دشمن ملک کے ہیں اور جہاں تک
میری معلومات کا تعلق ہے... یہ علاقہ دشمن ملک کا نہیں ہے... اگر ان
لوگوں کا ہے... تو بھی ان کا تعلق ہمارے ملک سے بنے گا... نہ کہ
شارجستان سے... لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے... دشمن ملک ان لوگوں کی آڑ
میں اس بستی پر قبضہ کر چکا ہے... اگرچہ یہ قبضہ پوشیدہ ہے... یعنی ظاہر میں
سردار اور اس کے ساتھی اس علاقے پر قابض ہیں... لیکن حقیقت میں
شارجستان کے فوجیوں کا قبضہ ہے... اسی لیے تو سردار کے آواز نکالتے ہی
یہ لوگ اس کی مدد کے لیے پہنچ گئے تھے...''

''ہوں... تب تو ان سے جنگ ضروری ہے... لیکن جمشید...
ہماری تعداد ان کے مقابلے میں بہت کم ہے... ان سے جنگ مول لینا
بہت خطرناک ثابت ہو سکتا ہے... یوں بھی ہمارے پاس اسلحہ برائے نام
ہے۔''

''تب پھر ہم واپس چلتے ہیں... سوال صرف لڑکی کا ہے... میں
اس کی طرف سے مطمئن ہونا چاہتا ہوں۔''

''لیکن یہ کیسے ہو گا جمشید۔''

''تم سب یہیں ٹھہرو... میں لڑکی کا پتا کر کے آتا ہوں۔''

''تب ہم یہاں کیوں ٹھہریں۔''

''اس لیے کہ سب کے جانے میں خطرہ ہے... میں اکیلا آسانی
سے وہاں پہنچ کر نکل بھی آؤں گا ان شاء اللہ!''

''اچھی بات ہے جمشید... تم چلے جاؤ... واپسی پر اُلو کی آواز

کے ذریعے تم ہماری سمت اختیار کر سکو گے۔'' خان رحمان نے کہا۔

''اچھی بات ہے... اللہ حافظ۔''

اور وہ وہاں سے تیر کی طرح روانہ ہو گئے... وہ لگے ان کا انتظار کرنے... ڈیڑھ گھنٹے بعد ان کی واپسی ہوئی... لڑکی اور اس کے ماں باپ ان کے ساتھ تھے:

''بس اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے۔'' وہ آتے ہی بولے۔

''اور سردار کا کیا بنا؟'' خان رحمان نے پوچھا۔

''معلوم نہیں ہو سکا... مجھے تو بس ان لوگوں کی فکر تھی... سردار اگر زندہ ہے تو بھی کوئی بات نہیں... اس سے بھی نبٹ لیں گے۔''

''تو کیا یہ ہمارے ساتھ جائیں گے۔'' محمود بولا۔

''ہاں! اس کے سوا کوئی چارہ نہیں... یہاں ان کی زندگیوں کو خطرہ ہی خطرہ ہے گا۔''

''تب پھر چلیے۔''

اور وہ وہاں سے نکلتے چلے گئے... یہاں تک کہ اس جگہ آ گئے جہاں سے وہ اس آبادی میں داخل ہوئے تھے... ان کی گاڑی غائب تھی... انہوں نے کوئی پروا نہ کی اور پیدل اپنا سفر جاری رکھا...

''وہ... وہ دیکھیے ابا جان... اونچائی پر ایک چیک پوسٹ نظر آ رہی ہے... شاید ہمیں یہاں سے گاڑی مل جائے۔''

''ہوں!'' انسپکٹر جمشید کے منہ سے نکلا۔

پھر وہ چیک پوسٹ کی طرف بڑھتے چلے گئے... نزدیک

پہنچے ہی تھے کہ ایک آواز گونجی:

''خبردار! ہاتھ اوپر اٹھا دو۔''

☆☆☆

چیک پوسٹ

ان کے سامنے اپنے ملک کی وردی والے تھے... لہذا انہوں نے بے فکری کے عالم میں ہاتھ اوپر اٹھا دیے...

اب دو فوجی ان کے نزدیک آئے اور ان کی تلاشی لینے کی کوشش کی، اس پر انسپکٹر جمشید بولے:

''تلاشی لینے سے پہلے ہمارا آپس میں تعارف ہو جائے تو بہتر رہے گا۔''

''جی نہیں... آپ لوگ خطرناک علاقے کی طرف سے آرہے ہیں، اس لیے پہلے تلاشی ہوگی... آپ کا اسلحہ قبضے میں لیا جائے گا... پھر بات ہوگی۔''

''اچھی بات ہے۔''

ان کا اسلحہ لے لیا گیا:

''ہاں! اب بتائیں... آپ کون ہیں اور اس طرف سے کیوں آرہے ہیں... یہ علاقہ تو ہمارے دشمنوں کا ہے۔''

''ہم غلطی سے اس طرف چلے گئے تھے... آپ یوں سمجھ لیں...

ہم راستہ بھول گئے تھے۔ دار الحکومت سے ہافام کی طرف روانہ ہوئے تھے۔''

''تب تو آپ بالکل غلط سمت میں آگئے ہیں... ہافام تو بالکل دوسری طرف رہ گیا ہے... آپ درمیان میں پوچھتے نہیں رہے۔''

''بس ہمارا خیال تھا کہ ہم درست راستے پر جا رہے ہیں اور پھر سنگِ میل ہمیں بتا رہے تھے کہ ہم درست سمت جا رہے ہیں... لیکن پھر سنگِ میل نظر نہ آئے اور راستہ دو اطراف میں شروع ہو گیا... اب ظاہر ہے... ہمیں دو میں سے ایک سڑک پر آنا پڑا... وہاں بتانے والا کوئی نہیں تھا... ہم نے کچھ دیر رک کر کسی راہگیر کا انتظار کیا تھا۔ جی ہاں! اب آپ مہربانی فرما کر ہمارے لیے ایک گاڑی کا بندوبست کر دیں... ہم آپ کی گاڑی واپس بھجوا دیں گے... دراصل ہماری گاڑی وہ لوگ لے گئے جنہیں آپ دشمن کہہ رہے ہیں۔''

''یہ بہت برا ہوا... خیر... گاڑی کا بندوبست ہو جائے گا... لیکن آپ کو کم از کم آدھ گھنٹا لگ جائے گا... ہمارے آفیسر راؤنڈ پر گئے ہوئے ہیں۔''

''کوئی بات نہیں... ہم انتظار کر لیتے ہیں۔''

''آئیے... کیبن میں بیٹھ جائیے۔''

''آپ نے ہمارا اسلحہ واپس نہیں کیا۔''

''آفیسر کے آنے تک اسلحہ ہمارے پاس رہے گا... وہ آکر اپنا اطمینان کر لیں گے تب آپ کو اسلحہ بھی واپس دیا جائے گا اور گاڑی بھی دیں گے۔''

''کوئی بات نہیں...''

اطمینان سے اندر آ کر بیٹھ جانے کے بعد انہوں نے پوچھا:

''اس طرف کن لوگوں کا قبضہ ہے... میرے خیال میں تو یہ علاقہ ہمارے ہی ملک کا ہے۔''

''جی ہاں! یہی بات ہے... ہے یہ ہمارے ہی ملک کا حصہ... لیکن اب دشمن ملک کے قبضے میں ہے... اور اس نے وہاں ایک قبیلے کو آباد کر رکھا ہے... وہ قبیلہ سیکڑوں برس پہلے کے رسم و رواج کا قائل ہے... وہ بھی ان کی ہر طرح مدد کرتے ہیں، اس طرح یہ علاقہ ہمارے لیے خطرناک ہو گیا ہے... اور ایک طرح سے ہمارے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔''

''لیکن ہم نے اپنا علاقہ واپس لینے کی کوشش کیوں نہیں کی۔''

''ایسی کوشش کئی بار کی جا چکی ہے... دارالحکومت سے باقاعدہ فوج بھیجی گئی... فوج نے ان لوگوں کا مقابلہ کیا... لیکن ہماری فوج پیش قدمی نہیں کر سکی... دوسری طرف سے اس قدر سخت مزاحمت ہوتی ہے کہ بس کیا بتائیں... اپنے بے شمار جوانوں کے نقصان سے بچنے کے لیے آخر پیچھے ہٹنے کا فیصلہ کیا گیا... اور اب ہم بس یہاں تک ہیں... آگے ان کا قبضہ ہے۔''

''لیکن آپ کے پاس تو فورس نہیں ہے... اگر وہ لوگ اچانک حملہ کر دیں تو آپ کیا کریں گے۔''

''فورس ہے... اگرچہ زیادہ نہیں... لیکن ہم اس جگہ دشمن کو آسانی سے روک لیتے ہیں اور انہیں آگے نہیں بڑھنے دیتے... جب کہ اگر ہم اس جگہ سے آگے بڑھ کر لڑیں تو وہ ہمیں آسانی سے پیچھے ہٹا دیتے

ہیں۔''

''اوہ... لیکن ان حالات سے ہیڈ کوارٹر کو کیوں آگاہ نہیں کیا گیا۔''

''انہیں سب معلوم ہے... لیکن نقصان کی وجہ سے خاموشی اختیار کی گئی ہے۔''

''یہ خاموشی تو پھر نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے... وہ اچانک بڑھ کر حملہ کر سکتے ہیں۔''

''انہوں نے آج تک تو ایسا کیا نہیں۔''

''خیر... ہم دارالحکومت جا کر بات کریں گے۔''

''ضرور... ضرور... کیوں نہیں۔''

اتنے میں ایک سپاہی کمرے میں پینے کے لیے کچھ لایا... اس نے ٹرے میز پر رکھ دی اور گلاسوں میں شربت کی قسم کی کوئی چیز انڈیلنے لگا:

''اس تکلف کی ضرورت نہیں...'' انسپکٹر جمشید نے فوراً کہا۔

''یہ انناس کا شربت ہے... بہت فرحت بخش ہوتا ہے... ان اطراف میں انناس کے درخت بہت ملتے ہیں... یہ شربت ہم خود ہی بناتے ہیں۔'' آفیسر نے بتایا۔

''اچھا... لیکن ہمیں پیاس نہیں ہے۔''

''آپ پی کر تو دیکھیں بہت اچھا لگے گا۔''

سپاہی نے ٹرے ان کے سامنے رکھ دی... انہوں نے اب بھی گلاسوں کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے:

"یہ کیا... آپ پی نہیں رہے۔"

"بس! ہماری عادت کچھ ایسی ہی ہے۔"

"آپ کی مرضی... پیاس محسوس ہو تو پی لیجیے گا۔"

"ٹھیک ہے۔"

سپاہی اور آفیسر باہر نکل گئے... انسپکٹر جمشید نے انہیں آنکھوں ہی آنکھوں میں کہا:

"خبردار! اس شربت کو ہاتھ نہ لگانا... میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں۔"

"یہی حال میرا بھی ہے۔" فرزانہ نے اشارہ کیا۔

"اللہ اپنا رحم فرمائے..." پروفیسر داؤد گھبرا کر بولے۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

پھر آدھ گھنٹا پورا ہوگیا... انسپکٹر جمشید اٹھ کر دروازے پر آئے اور اس کو کھولنا چاہا... وہ چونک اٹھے، دروازہ باہر سے بند تھا:

"لو بھئی... انہوں نے تو ہمیں کمرے میں بند کر دیا... وہ ہنس دیے... پھر زور سے دروازے پر دستک دی... فوراً ہی باہر سے آواز آئی۔

"جی جناب انسپکٹر جمشید صاحب... فرمائیے۔"

"یہ آپ نے دروازہ بند کیوں کر دیا۔"

"آفیسر کے آنے تک ہم ہر ممکن احتیاطی تدبیر کرنے پر مجبور ہیں، آپ کچھ محسوس نہ کریں۔"

"اچھی بات ہے... آپ کہتے ہیں تو ہم محسوس نہیں کرتے...

لیکن اگر معاملہ کچھ گڑبڑ ہے تو اس صورت میں آپ کو پریشانی ہوگی۔"

"ارے نہیں... آپ ہمارے بارے میں فکرمند نہ ہوں۔" باہر سے ہنس کر کہا گیا۔

"اچھی بات ہے... دیکھا جائے گا... ویسے ہم چاہیں تو دروازہ توڑ کر باہر آسکتے ہیں۔" ان کا لہجہ ناخوشگوار ہوگیا۔

"ایسی غلطی نہ کیجیے گا... باہر دس فوجی رائفلیں لیے تیار بیٹھے ہیں... ان کی رائفلوں کے رخ دروازے کی طرف ہیں... جونہی دروازہ ٹوٹے گا... آپ پر فائرنگ شروع کر دی جائے گی... دوسری صورت میں ہمارے آفیسر آنے ہی والے ہیں... یہ فیصلہ وہ کریں گے کہ آپ دوست ہیں یا دشمن... دراصل دشمن ملک والے سازش پر سازش کرتے رہتے ہیں... ہم ان کی سازشوں سے بہت تنگ ہیں... اور آپ کا اس طرح آنا بھی ہمیں کسی سازش کا حصہ لگ رہا ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو آپ کو چاہیے تھا... ہمارے کارڈ دیکھ لیتے۔"

"کارڈ نقلی بھی بنوا لیے جاتے ہیں... لہٰذا یہ فیصلہ صرف اور صرف ہمارے آفیسر کریں گے... کہ آپ ٹھیک ہیں یا غلط۔"

"اوکے... ہم آپ کے آفیسر کا انتظار کریں گے..." انہوں نے پرسکون آواز میں کہا۔

پھر پندرہ منٹ اور گزر گئے... اس وقت کہیں جا کر ایک جیپ کے رکنے کی آواز سنائی دی... اور اس کے بعد کئی اور گاڑیاں وہاں آ کر رکیں:

''ہاں بھئی... کیا رپورٹ ہے۔''

''سر! اس طرف سے کچھ لوگ آئے تھے... راستہ پوچھ رہے تھے... ان کا کہنا ہے... وہ دارالحکومت سے بافام کے لیے روانہ ہوئے تھے... دوراہے پر راستہ بھٹک کر اس طرف آ نکلے... اور سربوگرا کے لوگوں سے ان کی جھڑپ بھی ہوئی ہے... اور مزے کی بات یہ ہے کہ ان کا کہنا ہے... وہ انسپکٹر جمشید ہیں۔''

''کیا!!!'' آفیسر کی جوش بھری آواز ابھری... پھر اس نے بے تابانہ انداز میں کہا۔

''کھولو بھئی... دروازہ کھولو... تمہیں ان کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے تھا... وہ تو ہمارے ملک کی بہت بڑی شخصیت ہیں...''

''م... مجھے نہیں معلوم تھا سر۔'' آفیسر ہکلایا۔

''خیر کوئی بات نہیں... ہم سب ان سے معافی مانگ لیں گے... تم دروازہ کھولو۔''

اور پھر دروازہ کھول دیا گیا... آفیسر اندر داخل ہوا... اس نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا... پھر بولا:

''پہلے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں...''

''کوئی بات نہیں۔''

''آئیے... باہر... تاکہ باقی لوگ بھی آپ سے معافی مانگ سکیں۔''

''اس کی ضرورت نہیں... آپ تو بس ہمیں ایک گاڑی دے

دیں۔''

''جی گاڑی کا انتظام بھی ہو جاتا ہے... لیکن راستہ بہت پر پیچ ہیں... آپ ایک بار پھر بھٹک جائیں گے... اس لیے میرا ڈرائیور آپ کو لے کر جائے گا اور گاڑی واپس لائے گا۔''

''ٹھیک ہے... کوئی حرج نہیں۔''

اب انہیں باہر لا کر بٹھایا گیا... جلد ہی ایک بڑی جیپ آتی نظر آئی...

''لیجیے... گاڑی آگئی... آئیے۔''

''بہت بہت شکریہ... آپ نے اپنا تعارف نہیں کرایا۔''

''مجھے میجر شاہ زیب کہتے ہیں۔''

''آپ نے بہت تعاون فرمایا... لیکن اس آبادی کا چکر اب تک سمجھ میں نہیں آیا...''

''اس آبادی پر بہت عرصہ پہلے دشمن ملک کی فوج نے قبضہ کر لیا تھا... بس اس وقت سے انہی کا قبضہ چل رہا ہے...''

''لیکن کیوں... ہمارے حکمرانوں نے یہاں فوجی کارروائی کیوں نہیں کی۔''

''فوجی کارروائی کئی مرتبہ کی گئی ہے... لیکن ہر بار ناکامی ہوتی ہے... اور بہت سے فوجی جوان کام آتے ہیں... اس لیے ہم صبر کر کے بیٹھ گئے ہیں۔''

''لیکن آپ یہ بھی تو سوچیں کہ اس طرح تو دشمن اور دلیر ہو جائے گا... وہ آگے بڑھے گا۔''

''جی نہیں... وہ بس اس علاقے پر ہی قبضہ کرنا چاہتا تھا... سو اس نے کرلیا... اس سے آگے آنے کی نہ تو ان کی خواہش ہے... نہ انہوں نے کبھی کوشش کی ہے۔''

''اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ وہ آئندہ ایسی کوشش نہیں کریں گے...'' انسپکٹر جمشید نے بڑا سامنہ بنایا۔

''گارنٹی تو کوئی نہیں... بس ان کے طرز عمل سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ وہ اس جگہ سے آگے نہیں بڑھیں گے... کیونکہ یہاں ان کے قبضے کو تین سال ہو چلے ہیں... اس کے بعد انہوں نے آگے بڑھنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔''

''اچھی بات ہے... میں حکام سے بات کروں گا۔''

اور پھر وہ جیپ میں بیٹھ گئے... ان کے بعد ڈرائیور نے اپنی سیٹ سنبھال لی... انہوں نے میجر کی طرف دیکھ کر رخصتی انداز میں ہاتھ ہلا دیے... جواب میں اس نے بھی ہاتھ ہلا دیے... ساتھ ہی جیپ چل پڑی... پندرہ منٹ کے سفر کے بعد وہ ایک سیدھی سڑک پر آ گئے... اس وقت انہوں نے ڈرائیور سے پوچھا:

''کیا یہ سڑک سیدھی دارالحکومت تک جائے گی۔''

''جی... جی ہاں۔'' اس نے کہا۔

''ذرا گاڑی روک دیں۔''

''جی... کیوں؟''

''بتاتا ہوں...'' وہ بولے۔

اس نے گاڑی روک دی... اور بولا:

''لیجیے... گاڑی روک گئی... اب فرمائیے۔''

''آپ گاڑی سے نیچے اتر آئیں...''

''کیا مطلب۔''

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس کی گردن سے پستول کی نال لگ گئی... اب انہوں نے سرد آواز میں کہا:

''نیچے اتر چلو... ورنہ گردن میں روشن دان نکل جائے گا۔''

☆☆☆

مشکل لمحات

''کک... کیا مطلب... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔''

''میں نے کہا ہے، نیچے اترو...'' وہ غرائے۔

ڈرائیور نیچے اتر آیا... انسپکٹر جمشید کا ہاتھ حرکت میں آیا... الٹے ہاتھ کا بھرپور تھپڑ اس کے منہ پر لگا... وہ الٹ کر دور جا گرا... انسپکٹر جمشید فوراً اس کے قریب آگئے اور اس کی کن پٹی پر پستول کی نال رکھتے ہوئے بولے:

''کہاں لے جا رہے تھے ہمیں۔''

''دارالحکومت۔''

''اگر یہ سڑک دارالحکومت... میرا مطلب ہے... ہمارے ملک دارالحکومت کو اگر یہ سڑک جاتی ہے... تب تو تم زندہ بچ جاؤ گے... لیکن اگر یہ سڑک کہیں اور لے گئی... تو پھر تم زندہ نہیں بچو گے... لہٰذا ہمیں درست بات بتا دو۔''

''میں نے بالکل درست بات بتائی ہے...'' اس نے جھلا کر کہا۔

''اچھی بات ہے... خان رحمان اسے باندھ لو... اگر ہم نے محسوس کیا کہ یہ سڑک ہمارے ملک کے دارالحکومت کی طرف نہیں جا رہی تو کم ازکم اسے تو ختم کر ہی دیں گے، اس کے بعد ہمارے ساتھ کیا ہوتا ہے... یہ بعد میں دیکھیں گے۔''

ن... نہیں... نہیں۔'' وہ چلا اٹھا۔

''کیوں... اب کیا ہوا؟''

''آپ مجھے باندھیں نہ... ڈرائیونگ میں ہی کروں گا۔''

''نہیں بھئی... یہ تو نہیں ہوگا... یا تو تم درست بتاؤ گے... یا پھر ہم تمہیں باندھ کر اس سڑک پر سفر کریں گے اور یہ ہمیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ یہ سڑک کہاں جاتی ہے۔''

''اچھی بات ہے... جو آپ کا جی چاہتا ہے، کریں۔''

''مطلب یہ کہ تم نہیں بتاؤ گے۔''

''بتا چکا ہوں... یہ سڑک دارالحکومت کو جاتی ہے۔''

''لیکن کون سے دارالحکومت کو... دشمن ملک کے؟'' وہ پرزور انداز میں بولے۔

''نہیں اپنے ہی ملک کے۔''

''تب پھر تمہیں گھبرانے کی کیا ضرورت ہے؟''

''میں دارالحکوت نہیں جانا چاہتا۔''

''ہم تمہیں اتار دیں گے... تم واپس چلے آنا۔''

''چلیے... یہ ٹھیک رہے گا۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

''تب پھر اپنے آپ کو بندھوا لیں۔''

"اب اس کی کیا ضرورت رہ گئی۔" اس نے تلملا کر کہا۔

"ضرورت ابھی ختم بھی کہاں ہوئی ہے... ابھی ہمیں کیا معلوم کہ یہ سڑک اپنے ہی دارالحکومت کی طرف جاتی ہے... یا کسی اور طرف لے جاتی ہے۔"

"اچھی بات ہے... جو آپ کا جی چاہتا ہے، کرلیں۔" آخر اس نے تنگ آ کر کہا۔

انہوں نے اسے باندھ لیا۔ پھر لڑکی اور اس کی والدہ سے کہا کہ وہ اتر کر چلی جائیں، کیونکہ وہ خطرے میں ہیں۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے کوئی فکر کی بات نہیں اور اتر گئیں۔ وہ انہیں جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ پھر گاڑی میں ان کا سفر دوبارہ شروع ہوا... وہ آدھ گھنٹے تک چلتے رہے... لیکن اتنا وقت گزر جانے پر بھی انہیں معلوم نہ ہو سکا کہ وہ درست سمت میں جا رہے ہیں یا نہیں... آخر انہوں نے پھر ڈرائیور کو مخاطب کیا:

"اب تک راستہ سمجھ میں نہیں آیا۔ اس کا مطلب ہے... یہ سڑک ہمارے دارالحکومت نہیں جاتی۔"

"آگے جا کر سڑک بائیں طرف مڑے گی... وہ موڑ مڑتے ہی آپ لوگ اپنی دارالحکومت والی سڑک دیکھ لیں گے۔"

"بس تو پھر ہم آپ کو وہیں اتار دیں گے۔"

"لل... لیکن... میں پیدل کس طرح واپس چیک پوسٹ تک جاؤں گا۔"

"تب پھر آپ کو ہمارے ساتھ ایسے مقام تک جانا ہو گا... جہاں سے ہمیں کوئی گاڑی مل جائے... یا ہم اپنی گاڑی تک پہنچ سکیں۔"

"چلیے ٹھیک ہے... اب جونہی سڑک دو حصوں میں تقسیم ہو، آپ بائیں طرف مڑ جائیے گا۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ بولے۔

پھر سڑک واقعی دو حصوں میں تقسیم ہوتی نظر آئی... وہ بائیں طرف والی سڑک پر مڑ گئے... ایسے میں انسپکٹر جمشید نے کہا:

"کیوں... یہی سڑک ہے۔"

"ہاں! واقعی۔" وہ مسکرا دیا۔

اسے مسکراتے دیکھ کر وہ چونک اٹھے... ساتھ ہی انہوں نے گاڑی روک دی اور سرد آواز میں اس سے بولے:

"تو تم ہمیں دھوکا دیتے رہے ہو۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔" وہ پھر مسکرایا۔

"کیا کہا تم نے... تم ہمیں دھوکا دیتے رہے ہو۔"

"ہاں! اور آپ لوگ دھوکا کھاتے رہے ہیں۔"

"اچھی بات ہے... ہم نے بھی وعدہ کیا تھا کہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے... لہٰذا تم تو جاؤ۔" یہ کہتے ہی خان رحمان نے اس کی کن پٹی پر پستول کی نال رکھ دی۔

"کوئی فائدہ نہیں۔" اس نے منہ بنایا۔

"کوئی فائدہ نہیں... کس بات کا کوئی فائدہ نہیں۔"

"مجھے گولی مارنے کا۔"

"بات فائدے اور نقصان کی تو ہے ہی نہیں۔"

"تم نے ہمیں دھوکا دیا ہے، اس لیے گولی مار رہے ہیں۔"

"یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ اس سے تم لوگوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

"بھئی فائدہ اٹھانا ہمارا کام ہے، گولی کھانا تمہارا۔" فاروق مسکرایا۔

اس نے فاروق کو گھورا پھر بولا:

"میں زندہ حالت میں تم لوگوں کے کام آسکتا ہوں... ورنہ تم پوری طرح پھنس چکے ہو۔"

"کیا مطلب؟" محمود نے اسے گھورا۔

"اپنے چاروں طرف دیکھ لو... تم لوگ اس وقت چاروں طرف سے چٹانوں میں گھرے ہوئے ہو، چٹانوں کی چوٹیوں پر تمہیں رائفلوں کے سرے نظر آجائیں گے... ان لوگوں کے لیے بھلا تمہیں اور اس گاڑی کو نشانہ بنانا کیا مشکل ہے۔"

انہوں نے بوکھلا کر چاروں طرف دیکھا... فوراً ہی ڈرائیور کی بات کی تصدیق ہوگئی...

"لیکن!!!" انسپکٹر جمشید آواز میں بولے۔

"لیکن کیا۔" وہ ہنسا... انداز مذاق اڑانے کا تھا۔

"لیکن... ہم لوگ تمہیں اس غداری کی سزا تو دے ہی سکتے ہیں۔"

"یہی تو میں نے کہا نا... اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا... ہاں مجھ سے معاملہ طے کرلو... اس صورت میں ضرور تم فائدے میں رہو گے۔"

"تم... تم کیا چاہتے ہو۔"

"تمہارے ملک میں باعزت رہائش اور روزگار... اور بس... میں اس ملازمت سے تنگ آچکا ہوں۔"

"اگر تنگ آچکے ہو تو بتاؤ یہ سب چکر کیا ہے... تم ہمیں کہاں لے جا رہے تھے۔"

"دشمن ملک....." اس نے فوراً کہا۔

"یہی ہمارا خیال تھا... اس کا مطلب ہے... اس آبادی پر دراصل اس کا قبضہ ہوچکا ہے... جب کہ یہ حصہ ہے ہمارے ملک کا... ایسا ہوچکا ہے... اور ہمارے ملک کی حکومت کو کانوں کان پتا تک نہیں... اور یہ صورتِ حال خطرناک ترین ہے... ملک کے لیے تباہ کن ہوسکتی ہے... اگر فوری طور پر انتظام نہ کیا گیا... اور اس کا صاف اور سیدھا مطلب یہ ہے کہ ہمیں یہیں سے فوراً واپس لوٹ جانا ہوگا... ورنہ ہم سب ان کے ہاتھوں مارے جائیں گے... اور اس سے بھی زیادہ ضروری کام یہ ہے کہ ہم اپنی فوج کو اس صورتِ حال کی خبر کردیں..."

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید نے جیب سے موبائل نکال لیا... بٹن دبایا اور نمبر ملانے کے بعد انہوں نے ابھی کچھ کہا بھی نہیں تھا کہ ایک فائر کی آواز گونج اٹھی... اور موبائل ان کے ہاتھ سے نکل گیا...

انہوں نے بوکھلا کر چاروں طرف دیکھا... چٹانوں پر رائفلیں ہی رائفلیں چمک رہی تھیں... ایسے میں ایک آواز گونجی:

"تم لوگ اپنا اسلحہ پھینک دو اور ہاتھ اوپر اٹھا دو۔"

انسپکٹر جمشید نے اشارہ کیا کہ اسلحہ پھینک دو اور ہاتھ اوپر اٹھا دو... کیونکہ چٹانوں کی چوٹیوں پر پوزیشن لیے لوگوں کا وہ کچھ نہیں

بگاڑ سکتے تھے... جب کہ وہ نہایت آسانی سے انہیں نشانہ بنا سکتے تھے...

فوراً ہی ان کے پستول قبضے میں لے لیے گئے... اس کے بعد ان کی بھی اچھی طرح تلاشی لی گئی... اور جو کچھ جیبوں میں تھا، نکال لیا گیا... جب پروفیسر داؤد کی جیبوں کو ٹٹولا جانے لگا تو انہوں نے بھنا کر کہا۔

''میں بوڑھا آدمی ہوں ... جیبوں میں کچھ ضروری چیزیں موجود ہیں... ان میں کچھ دوائیں ہیں ... ان دواؤں کے بغیر میری حالت بگڑ جائے گی... میں نے بتا دیا، اب آپ جانیں ... آپ کا کام۔''

''ہم دواؤں کو ہاتھ نہیں لگائیں گے ... فکر نہ کریں۔'' ان میں سے ایک نے ہنس کر کہا۔

''تب تم لوگ بہت اچھے ہو... دشمن ہوں تو تم جیسے۔''

پھر واقعی ان کی دوائیں وغیرہ جوں کی توں رہنے دی گئیں...

''ٹھیک ہے... تلاشی کا کام پورا ہوا... اب آپ لوگ اس طرف چلیں... ہم آپ لوگوں سے دس قدم پیچھے چلیں گے... یہ فاصلہ برقرار رہے گا... اگر آپ نے اس فاصلے کو کم کرنے کی کوشش کی تو ہم فائرنگ کرنے کے لیے آزاد ہوں گے... آپ نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی۔''

''جی بالکل... لیکن آپ کم از کم اتنا تو بتا دیں کہ ہمیں کہاں لے جانا ہے۔'' فاروق بول اٹھا۔

''اپنے ہیڈ کوارٹر...''

''اچھی بات ہے... جو آپ کے جی میں آئے کریں... بس ایک بات اور بتا دیں... کہ اس علاقے پر انشارجہ قبضہ کرنے کے بعد کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔''

''یہ بات تم لوگوں کو ہیڈ کوارٹر بتائی جائے گی... ہمارے کمانڈر ہی اس بات کو بتا سکیں گے... ہم لوگ تو بس حکم کے ملازم ہیں... جو حکم ملے گا... اس کی تعمیل کرتے ہیں بس۔''

''ٹھیک ہے... اب باقی باتیں ہیڈ کوارٹر میں ہوں گی۔''

پھر ان کا سفر پیدل شروع ہوا... کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد انہیں ایک گاڑی میں بٹھایا گیا... گاڑی کا سفر بیس منٹ تک جاری رہا... یہاں تک کہ وہ رک گئی اور انہیں نیچے اتارا گیا... اب ان کے چاروں طرف فوجی ہی فوجی تھے اور یہ ان کے دشمن ملک کے تھے... پھر انہیں ایک عمارت کے اندر لے جایا گیا... عمارت کے ہال میں ایک کرنل موجود تھا... جونہی اس کی نظر ان پر پڑی... وہ بہت زور سے اچھلا... پھر اس نے چیخ کر کہا:

''ارے واہ... یہ ہوا ہے کام۔''

''کیا ہوا سر۔''

''ارے بھئی... بہت بڑا کام ہوا ہے... اتنا بڑا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے... جس آدمی کو پکڑنے کے لیے ہم مدت سے ترس رہے تھے... وہ خود ہی چل کر ہمارے پاس آگیا ہے... یہ انسپکٹر جمشید ہے۔''

''کیا!!!'' ان لوگوں کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"یہ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھی ہیں... واہ واہ مزہ آ گیا... انہیں قابو میں رکھیے... میں حکام کو یہ خوش خبری سناتا ہوں۔" کرنل جلدی جلدی کہا۔

"آپ فکر نہ کریں... یہ پوری طرح ہمارے قبضے میں ہیں۔"

"اس خوش فہمی میں نہ رہیے... یہ لوگ نکل جانے کے ماہر ہیں... بڑے سے بڑے اور نامور سے نامور لوگ بھی انہیں اپنے قبضے میں نہیں رکھ سکے۔"

"آپ فکر نہ کریں... میں ذمے دار ہوں۔"

"اچھی بات ہے۔"

اور پھر کرنل وہاں سے چلا گیا... جلد ہی اس کی واپسی ہوئی:

"ان لوگوں نے کوئی حرکت تو نہیں کی۔"

"بالکل نہیں... میں نے پہلے کہ دیا تھا کہ یہ لوگ میرے ہاتھ سے نہیں نکل سکتے۔" وہ مسکرایا۔

"ایسی بات نہیں۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"کیا مطلب... کیسی بات نہیں۔" ایک نئی آواز سنائی دی... انہوں نے دیکھا... کرنل کے ساتھ کافی لوگ آئے تھے... اور یہ بات ان میں سے ایک نے کہی تھی۔

"یہ کہ ہم نکل نہیں سکتے تھے... ہم تو دراصل خود ابھی یہاں رکنا چاہتے ہیں... ورنہ نکل کر جانا چاہتے تو یہ کام ہمارے لیے مشکل نہیں تھا۔"

"غلط... بالکل غلط۔" کرنل غرایا۔

"تب پھر تجربہ کر لیں۔" فاروق مسکرایا۔

"تجربہ کر لیں... کس بات کا۔"

"اس بات کا کہ ہم نکل کر جا سکتے ہیں یا نہیں۔"

"اوہو... اچھا... یہ بات ہے۔" آفیسر نے کہا۔

"جی ہاں... اور کیا... بالکل یہی بات ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"تب پھر آپ لوگ نکل کر دکھائیں... ہم دیکھنا چاہتے ہیں... ہم میں کوئی طاقت ہے یا نہیں۔"

"کیا خیال ہے ابا جان... میں انہیں نکل کر نہ دکھا دوں۔"

"نہیں... اس لیے کہ پہلے ہم یہ جاننا چاہتے ہیں... یہ لوگ اس علاقے کے ذریعے اپنا کیا کام نکال رہے ہیں... ظاہر ہے... ہمارے ملک کا یہ مختصر ٹکڑا وہاں کے مقامی لوگوں کی مدد سے ان لوگوں نے اپنے قبضے میں کر لیا ہے... ایسا انہوں نے بلاوجہ تو نہیں کیا ہو گا۔" انسپکٹر جمشید نے انکار میں سر ہلایا۔

"لیکن ہم ان کے چیلنج کا کیا کریں؟" فاروق نے منہ بنایا۔

"صبر کرو... ہر چیلنج کا جواب صبر کے ذریعے دیا جا سکتا ہے۔"

"جی ہاں! ہم صبر کریں گے... سن لیا آپ لوگوں نے۔"

"ہاہاہا... انسپکٹر جمشید اور اس کے ساتھی کس قدر بے بس ہیں... بس باتیں بگھار رہے ہیں۔"

"سن رہے ہیں آپ۔" محمود نے منہ بنایا۔

"ہاں بھئی... میرے کان بالکل ٹھیک ہیں۔"

"لیکن جمشید... میں ان کے قہقہے نہیں سن سکتا..." پروفیسر داؤد نے جلا کر کہا۔

’’آپ ٹھیک کہتے ہیں... لیکن یہ وقت جوش کا نہیں ہوش کا ہے... میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ یہ لوگ کر کیا رہے ہیں۔‘‘

’’یہ ہم بتا دیتے ہیں... یہاں سے نکل کر تم دکھا دو۔‘‘ آفیسر نے کہا۔

’’ضرور... ضرور... یہ ہوئی نا بات... تب پھر بتایئے۔‘‘ فاروق نے خوش ہو کر کہا اور تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔

’’خبردار! اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔‘‘

’’واہ... بن رہے ہیں اتنے بہادر اور میرے آگے بڑھنے سے خوف کھا رہے ہیں۔‘‘

’’ہم تم لوگوں کی رگ رگ سے واقف ہیں۔‘‘ آفیسر نے تلملاتے ہوئے انداز میں کہا۔

’’اب ہم اپنی رگوں کو گھر میں تو رکھ کر نہیں آسکتے تھے۔‘‘ فاروق نے منہ بنایا۔

’’کیا مطلب...‘‘ ان کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

’’پتا نہیں کیا مطلب ہے میری بات کا... کوئی بات بغیر مطلب کے بھی قبول کر لیں۔‘‘ فاروق نے منہ بنایا۔

’’بات یہ طے ہوئی ہے کہ تم لوگ ہمیں یہ بتاؤ گے کہ تم اس بستی پر قبضہ کر کے یہاں کیا گل کھلا رہے ہو... تم لوگوں کے شکنجے سے نکل کر ہم دکھائیں گے۔‘‘

’’اوکے... کرنل آپ پوری طرح تیار ہیں... ساری بات سن کر یہ نکل تو نہیں جائیں گے۔‘‘ آفیسر نے اس کی طرف دیکھا۔

’’بالکل نہیں سر! ہم نے انہیں پوری طرح گھیر رکھا ہے اور پوزیشن لے رکھی ہے...‘‘

’’بس تو پھر... میں انہیں بتانے لگا ہوں... اس کے بعد ہم انہیں شاہی جیل لے کر جائیں گے... جہاں سے آج تک کوئی قیدی زندہ نہیں نکل سکا... بلکہ زندہ کیا، وہاں سے تو مرنے کے بعد بھی کوئی نہیں نکل سکا۔‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘ ان کے منہ سے نکلا۔

’’مطلب یہ کہ جب وہاں کوئی مر جاتا ہے تو اسے جیل کے قبرستان میں دفن کر دیا جاتا ہے۔‘‘

’’اوہ... اوہ۔‘‘

’’اور اب سنو...‘‘

وہ اس لمحے بری طرح بے چین نظر آنے لگے:

☆☆☆

خوفناک جنگ

''ہم نے اس علاقے پر اس طرح قبضہ کیا ہے کہ کسی کو کانوں کان پتا نہیں چلا... دراصل اس علاقے کو سرحد کی بس ذرا سی پٹی لگتی ہے... وہاں بس ایک فوجی چوکی ہے... باقی رہ گئے اس علاقے کے عوام... تو انہیں پتا ہی نہ چلے کہ یہاں کیا تبدیلی آ چکی ہے... سرحدی پٹی پر بھی اب دراصل ہمارے فوجی قابض ہیں... لیکن وہ تمہارے فوجیوں کی وردی میں ہوتے ہیں اور شکل صورت کے لحاظ سے تو ویسے بھی دونوں طرف کے لوگ ایک جیسے ہیں...''

''ہوں... لیکن اس علاقے کو اپنے قبضے میں لے کر آپ لوگ کر کیا رہے ہیں۔''

''اب میں یہی بتانے لگا ہوں... سرحدی پٹی ہی جب ہمارے قبضے میں آ گئی تو اس راستے سے تو ہم جو جی چاہے کر سکتے ہیں... اپنے ملک کے جاسوس بھیج سکتے ہیں... تخریب کاری کے پروگرام ترتیب دے سکتے ہیں... اور ہمارے جاسوس اپنا کام کر کے بحفاظت تمام واپس آ جاتے ہیں... یہ راستہ تو ہمارے لیے آسانیاں ہی آسانیاں پیدا کر رہا ہے...

اور تم لوگوں کے لیے یہ خوفناک نتائج بھی اسی راستے سے سامنے لائے جا رہے ہیں... ہم جب چاہیں کے اپنی فوج بھی آسانی سے... یعنی اپنا ایک فوجی بھی ضائع کیے بغیر... تمہارے ملک میں داخل کر سکیں گے... اس صورت میں... تم خود سوچو... تمہارے ملک پر کیا گزرے گی... اور کس قدر بڑی کامیابیاں ہمارا مقدر بنیں گی۔''

''اوہ... اوہ۔'' ان کے منہ سے مارے خوف کے نکلا... پھر ساتھ ہی انسپکٹر جمشید چلائے۔

''وہ دیکھو... میں نے آسمان کی طرف کیا چیز اچھال دی ہے۔''

اور واقعی... ایک گول چیز ان سب کو اوپر جاتی نظر آئی... ان کے جملے کے ساتھ ہی وہ سب یک لخت اوپر دیکھنے پر مجبور ہو گئے تھے... اور یہی وہ لمحہ تھا... جس کا انسپکٹر جمشید کو انتظار تھا... انہوں نے ایک لمبی چھلانگ آفیسر کی طرف لگائی اور اس پر جا پڑے... دوسرے ہی لمحے اس کی گردن ان کے بازو کی گرفت میں تھی... اور وہ سرد آواز میں اس سے کہہ رہے تھے:

''ادھر تم نے حرکت کی... ادھر تمہاری گردن ٹوٹی... یہ بات اپنے عملے کو بتا دو... کیونکہ تمہیں چھڑانے کے لیے وہ جو کوشش بھی کریں گے... میرے جسم کو حرکت ضرور ہو گی... اور خفیف ترین حرکت بھی تمہاری گردن کی ہڈی تڑاخ سے توڑ دے گی... اب تم جانو... تمہارا کام جانے۔''

عین اس لمحے اس کے آدمی اسے چھڑانے کے لیے چاروں

طرف سے ان کی طرف دوڑ پڑے:

''انہیں بتاؤ... ورنہ تم گئے۔''

''ٹھہرو... رک جاؤ... کوئی حرکت نہ کرے... میں اس وقت سخت مشکل میں ہوں۔''

ان کے اٹھتے قدم رک گئے:

''سنو ہمارے دشمنو... ہمارے ملک کے دشمنو...! یہ آفیسر اس وقت اس طرح میرے شکنجے میں ہے کہ اگر میرے جسم کو یا اس کے جسم کو ذرا بھی جھٹکا لگ جائے گا تو اس کی گردن ٹوٹ جائے گی... اگر تمہیں اس بات پر یقین نہیں تو اپنے اس بے کس و مجبور آفیسر سے پوچھ لو... جو ذرا دیر پہلے بہت دعوے کر رہا تھا۔''

انہوں نے سوالیہ انداز میں اپنے آفیسر کی طرف دیکھا... اس کے حلق سے بہت مشکل سے یہ الفاظ نکلے:

''خبردار! کوئی حرکت نہ کرے... پیچھے ہٹ جاؤ... انہیں راستہ دے دو... یہ جہاں جاتے ہیں... انہیں جانے دو... راستہ نہ روکنا...''

''اور نہ تعاقب کرنا... ہم تمہارے آفیسر کو اپنے ملک کی سڑک پر پہنچنے کے بعد چھوڑ دیں گے... یہ ہمارا وعدہ ہے... اور ہم وعدہ خلافی نہیں کرتے... جو لوگ ہمیں جانتے ہیں... وہ یہ بھی جانتے ہوں گے۔''

اور پھر ان کے لیے راستہ چھوڑ دیا گیا... وہ اپنی گاڑی میں آبیٹھے... انسپکٹر جمشید آفیسر کو ساتھ لیے پچھلے حصے میں بیٹھ گئے... خان رحمان نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی... اور گاڑی چل پڑی:

''کیوں... ہم نکل جانے میں کامیاب ہو گئے ہیں یا نہیں... اور تم سب منہ دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے... اب اگر ہم چاہیں... تو تمہارے آفیسر کی تکہ بوٹی کر دیں... لیکن ہم تم جیسے نہیں... اب ہم جا رہے ہیں... ہمارا پیچھا کرنے کی کوشش نہ کرنا... کیا تو یہ نقصان میں رہے گا... ہم تمہارے آفیسر کو زندہ سلامت واپس بھیج دیں گے... یہ ہمارا وعدہ رہا... البتہ رہا کرنے سے پہلے ہم ان سے کچھ باتیں کریں گے... اگر انہوں نے ہمارے سوالات کے جوابات صاف صاف دے دیے... تب تو ان کی رہائی فوراً ہی عمل میں آ جائے گی اور اگر جوابات دینے میں انہوں نے دیر لگائی تو ان کی رہائی میں بھی دیر لگے گی... مطلب یہ کہ وعدہ خلافی ہم اس صورت میں بھی نہیں کریں گے...''

''یہ کیا بات ہوئی جمشید۔'' پروفیسر داؤد نے حیرت ظاہر کی

''یہ بات اس طرح ہوئی پروفیسر صاحب کہ اس صورت میں یہ آفیسر صاحب زندہ سلامت تو انہیں مل جائیں گے... لیکن یہ ان کے کام کے نہیں رہ جائیں گے... بلکہ یہ اپنے کام کے بھی نہیں رہیں گے... یہ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھیں گے۔''

''اوہ... اوہ... نہیں۔''

ان کے ساتھیوں اور دشمنوں کے منہ سے نکلا۔ ساتھ ہی گاڑی آگے بڑھ گئی... اور اس قدر رفتار سے روانہ ہوئی کہ جلد ہی وہ ان لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اب وہ اپنے آفیسر کو فون کرنے کے لیے دوڑ پڑے... ادھر انسپکٹر جمشید نے رسیوں کی مدد سے آفیسر کو بندھوا لیا... اور اپنے پستول کی نال اس کی کن پٹی پر رکھ کر بیٹھ گئے...

اس طرح انسپکٹر جمشید کا بازو آزاد ہو گیا... اب انہوں نے فوراً صدر صاحب کے نمبر ملائے... سلسلہ ملتے ہی انہوں نے تفصیلات بیان کرنا شروع کر دی... یہ تمام تفصیلات حد درجے خوفناک تھیں... صدر صاحب سکتے میں آ گئے... پھر انسپکٹر جمشید نے کہا:

''اب آپ فوری طور پر اس طرف فوج روانہ کر دیں... کیونکہ فوجی کارروائی تو یہاں کرنا پڑے گی۔''

''ہوں... بالکل ٹھیک ہے... تم فکر نہ کرو... لیکن اس آفیسر کے بارے میں کیا کرو گے۔''

''اس سے معلومات حاصل کروں گا... اگر ان صاحب نے ضد نہ کی اور معلومات دے دیں تو ٹھیک... ورنہ پھر دارالحکومت لا کر کمرۂ امتحان کی سیر کرائیں گے۔''

''بالکل ٹھیک ہے جمشید... یہ بہت ضروری ہے۔''

پھر وہ اپنے دارالحکومت کی سڑک پر آ گئے... اس جگہ ان کی فوجی چوکی تھی... انہوں نے وہاں بریک لگا دیے... فوراً ہی فوجیوں نے انہیں گھیر لیا:

''آپ لوگ گاڑی سے باہر آ جائیں۔''

''محمود تم اسی طرح بیٹھے رہو۔'' انسپکٹر جمشید نے اشارہ میں کہا اور خود گاڑی سے اتر آئے۔ انہوں نے فوراً ہی اپنے کاغذات نکال کر آفیسر کے سامنے کر دیے:

''اوہ! یہ آپ ہیں۔''

''ہاں جناب! اور اس وقت ہم خطرناک ترین صورت حال سے

دو چار ہیں... ہم یہاں رک نہیں سکتے... کیونکہ دشمن ملک...''

الفاظ ان کے منہ میں رہ گئے... عین اسی لمحے لڑاکا طیارے کی آواز فضا میں گونجی تھی:

''خطرہ آفیسر... خطرہ... فوراً مورچوں میں پناہ لے لیں... اور ایک مورچے تک ہماری رہنمائی کریں۔''

''آیئے اس طرف...'' اس نے کہا... ساتھ ہی اپنے ماتحتوں کو ہدایات دیں... محمود اور آفیسر کو بھی گاڑی سے اتار لیا گیا جلد ہی طیارہ ان کے سروں پر آ گیا اور فضا میں فائرنگ کی آواز گونج اٹھی۔ انہوں نے ادھر ادھر لڑھک کر خود کو فائرنگ سے بچانے کی کوشش کی... اتنے میں طیارہ آگے گزر چکا تھا۔ انہوں نے اسے واپس آتے دیکھا۔

''اس سے پہلے کہ وہ پھر ہمارے سروں پر آ جائے... ہمیں مورچوں تک پہنچ جانا چاہیے۔'' انسپکٹر جمشید چلائے۔

''آیئے۔''

انہوں نے دوڑ لگا دی... جلد ہی وہ مورچوں میں دبک چکے تھے:

''آپ کے پاس طیارہ شکن توپ نہیں ہے۔''

''نہیں... منگوانا ہو گی۔''

''لیکن اس وقت تک تو بہت دیر ہو چکی ہو گی۔''

''ہم اس وقت تک مورچوں میں رہیں گے۔''

''اوہو... آپ کیا سمجھ رہے ہیں... بس یہ ایک ہی طیارہ ہمارے سروں پر منڈلاتا رہے گا... اس خیال میں نہ رہیے گا... طیاروں

کی تو پوری فوج آنے والی ہے۔''

''کیا!!!'' وہ ایک ساتھ چلائے۔

''جی جناب! جو کر سکتے ہیں... فوراً کرلیں... میں صدر صاحب کو فون کرتا ہوں۔''

انہوں نے صدر صاحب کے نمبر ملائے... فوراً ہی ان کی آواز سنائی دی:

''سر... ایک طیارہ ہمارے سر پر منڈلا رہا ہے... غالباً انہوں نے اپنے آفیسر سمیت ہمیں ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے... کیونکہ آفیسر سے ہم بہت کچھ اگلوا سکتے ہیں اور یہ بات ان کے لیے حد درجے نقصان دہ ثابت ہوگی... آپ لڑاکا طیارے فوراً ہی اس طرف روانہ کردیں۔ کیونکہ جلد ہی... وہ اور طیارے...''

ان کے الفاظ درمیان میں رہ گئے... اسی وقت بہت سے طیاروں کی آوازیں فضا میں سنائی دی تھیں:

''لیجیے سر! وہ آگئے جہاز... اب آپ جو کر سکتے ہیں... فوراً کرلیں۔''

''اچھا جمشید... تم فکر نہ کرو۔''

اور پھر وہ جہازوں کی طرف متوجہ ہوگئے... تقریباً دس طیارے ان کی طرف آرہے تھے:

''ارے باپ رے... اب یہ سب مل کر ہم پر فائرنگ کریں گے...'' خان رحمان بولے۔

''اور ہمارے پاس اسلحہ نہیں ہے... آفیسر... آپ کے پاس

رائفلیں تو ہیں نا۔''

''ہاں! وہ ہیں۔''

''تب آپ ہمیں ایک ایک رائفل دے دیں۔''

''اچھی بات ہے...'' اس نے کہا اور اپنے ماتحتوں کو ہدایات دیں... جلد ہی رائفلیں اور میگزین ان کی طرف پھینک دیے گئے... اب ان کو اٹھانے کے لیے مورچوں سے باہر آنا پڑا تھا۔

''صرف میں مورچوں سے باہر جاؤں گا۔'' انسپکٹر جمشید نے گویا اعلان کیا۔

''نہیں جمشید... تم نہیں... یہ کام میرا ہے۔'' خان رحمان بولے۔

''یہ وقت بحث کا نہیں خان رحمان... بس جو کہہ رہا ہوں... وہی کیا جائے گا۔'' انسپکٹر جمشید کا لہجہ سرد تھا... خان رحمان چونک اٹھے اور پھر انہوں نے اپنے ہونٹ بند کرلیے۔

انسپکٹر جمشید نے طیاروں پر نظریں جما دیں... وہ ایک ساتھ ان کی طرف آرہے تھے... پہلا طیارہ بھی ان میں شامل ہو چکا تھا... پھر جونہی وہ سروں پر سے گزرے... وہ باہر نکل آئے اور دوڑ کر رائفلیں اٹھا لائے... جلد ہی ان سب کے پاس ایک ایک رائفل تھی... اس وقت انسپکٹر جمشید نے آفیسر سے کہا:

''آپ کے ملک کے ذمے داروں نے آپ کو بھی ہمارے ساتھ ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے... آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔''

''ہاں!'' اس کے لہجے میں خوف تھا۔

''پھر آپ کیا کہتے ہیں۔''

''آپ... آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔''

''ہوسکتا ہے... ہم زندہ نہ بچیں... اور آپ بھی... کیونکہ جلد ہی ان طیاروں سے بم باری شروع ہونے والی ہے۔''

''نن نہیں۔'' وہ کانپ گیا۔

''آپ سوچ سکتے ہیں... اس صورت میں ہم سب مارے جا سکتے ہیں... مطلب یہ کہ اب آپ اپنے ملک والوں کے لیے بالکل بیکار ہیں... انہوں نے جان لیا ہے کہ اب وہ آپ سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے... البتہ آپ کو ہم اپنے ساتھ لے جانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو اس صورت میں ہم آپ سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔''

''ہاں! یہی بات ہے... لیکن آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔''

''جن کے لیے آپ سب کچھ تھے... ان کے لیے اب کچھ نہیں رہ گئے... اس بات کو دیکھ لیں... زندہ سلامت واپس تو آپ اپنے لوگوں میں جائیں گے نہیں... کیونکہ ہم مرتے مرتے بھی آپ کو لے مریں گے...''

''تب پھر... آپ کیا چاہتے ہیں۔''

''اگر آپ ہمارے ساتھ مل جاتے ہیں تو ہم آپ کو اپنی جانوں پر کھیل کر بھی آپ کو بچانے کی کوشش کریں گے... اس وقت ہم آپ سے کچھ پوچھنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں... نہ آپ بتانے کی پوزیشن میں ہیں... اب آپ جانیں آپ کا کام جانے۔''

''ابا جان... وہ پھر آ رہے ہیں۔'' محمود نے چلا کر کہا۔

اور وہ فوراً جہازوں کی طرف متوجہ ہو گئے... انسپکٹر جمشید اور خان رحمان نے فوراً اپنی رائفلیں تان لیں... اور نزدیک آتے جہازوں کا نشانہ لینے لگے... جونہی وہ ان کے سروں پر سے گزرے... انہوں نے فائر کر دیے... ادھر ادھر سے بھی فائرنگ ہوئی تھی... دو جہاز فوراً ہی قلابازیاں کھاتے نیچے آتے نظر آئے... اور پھر ان میں آگ بھی لگی نظر آئی۔

''وہ مارا... دو تو گئے۔''

''تو ابا جان... ہم بھی کیوں نہ جہازوں کو نشانہ بنانے کی کوشش کریں۔'' محمود نے پرجوش انداز میں کہا۔

''اس کے لیے مورچوں سے اٹھنا پڑتا ہے... اور اوپر سے آنے والی گولیوں کا نشانہ بننے کا خطرہ ہے... لہٰذا تم مورچوں میں دبکے رہو۔''

''ہم بہت زیادہ بے قراری محسوس کر رہے ہیں... لہٰذا آپ ہمیں اجازت دے ہی دیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے... اللہ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔''

''آمین!'' ان سب کے منہ سے نکلا۔

جہاز فائرنگ کر کے آگے جا چکے تھے... اور دور ہوتے ہوتے نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے... کہ اچانک وہ پھر نمودار ہوئے... اس بار وہ سب جہازوں پر فائرنگ کرنے کے لیے تیار ہو گئے... خود انہیں اپنی حفاظت کا مسئلہ بھی درپیش تھا... ان کے مورچے چٹانوں کے درمیان بنائے گئے تھے... اور اس لحاظ سے انہیں اوپر سے نشانہ بنانا آتا

آسان بھی نہیں تھا... اس مرتبہ جب جہاز نزدیک آئے تو انہوں نے فوراً ہی محسوس کرلیا کہ جہاز اب بہت زیادہ بلندی پر چلے گئے تھے... اس کا مطلب تھا کہ وہ رائفلوں سے انہیں نشانہ نہیں بنا سکتے تھے... جب کہ وہ ان پر فائرنگ کرسکتے تھے... یہ اور بات ہے کہ زیادہ بلند پر چلے جانے کی وجہ سے اب وہ ان کے حملوں سے قدرے محفوظ ہو گئے تھے... اور یہی ہوا اس مرتبہ فائرنگ سے گرنے والی گولیاں کافی دور دور تک گریں... اس پر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا... لیکن ان کا اطمینان فوراً ہی رخصت ہوگیا... کیونکہ اس بار اور ہی رنگ اور روپ کے جہاز آتے نظر آئے تھے:

''ہوسکتا ہے... یہ طیارے بم باری کریں۔'' خان رحمان چلائے۔ پھر بولے۔

''لہٰذا... فائرنگ کا خیال نکال کر پوری طرح مورچوں میں دبک جائیں۔''

انہوں نے ہدایت پر عمل کیا... اور پھر وہاں کئی دھماکے ہوئے... چٹانیں اُڑتی نظر آئیں...

''ہم اب زبردست خطرے میں ہیں۔'' خان رحمان کی آواز سے فکرمندی کے آثار تھے۔

''پھر... خان رحمان... ہم کیا کریں... ہم کیا کرسکتے ہیں۔'' پروفیسر بولے۔

''ہم... ہم اللہ کو یاد کریں... اور جمشید... تم صدر صاحب کو ایک بار پھر صورت حال بتاؤ۔''

''میرا خیال ہے... اس وقت تک طیارے روانہ ہو چکے ہوں گے... لیکن پھر بھی میں معلوم کرتا ہوں... '' یہ کہہ کر انہوں نے صدر صاحب سے رابطہ کیا... سلسلہ ملتے ہی صدر صاحب نے کہا:

''طیارے روانہ ہو چکے ہیں... کسی بھی وقت پہنچنے والے ہیں... فکر نہ کرو... زمینی فوج بھی روانہ ہو چکی ہے... فی الحال طیارے طیاروں کو روکیں گے... تم لوگ جونہی خود کو خطرے سے باہر محسوس کرو... دارالحکومت کا رخ کرنا... کیونکہ فوج ہی فوج کا مقابلہ کرسکتی ہے ... یہ تم لوگوں کا کام نہیں ہے کہ فوج کا مقابلہ کرو... تم سمجھ گئے... میری ہدایت پر عمل کرنا۔''

''جی بہت بہتر۔'' انہوں نے فوراً کہا۔

عین اس لمحے انہوں نے اپنے طیاروں کو آتے دیکھا... ان کے چہرے خوشی کھل اٹھے... اب فضا میں طیاروں کی جنگ ہونے لگی... وہ اپنے مورچوں سے اس جنگ کا صاف نظارہ کر رہے تھے... طیاروں کی ایک دوسرے پر فائرنگ کا سلسلہ شروع ہوگیا... طیارے بار بار غوطے لگا رہے تھے اور ایک دوسرے سے اوپر آنے کی کوشش میں مصروف تھے... ایسے میں انہوں نے ایک طیارے کو آگ لگتے دیکھی... اور یہ طیارہ دشمن کا تھا... ان کے منہ سے نعرے تکبیر بلند ہوا...

''ہمیں بھی اپنے طیاروں کی مدد کرنی چاہیے...'' پروفیسر داؤد بولے۔

''آپ کا مطلب ہے... ہم نیچے سے ان پر فائرنگ کریں... نہیں یہ درست نہیں ہوگا... ہماری گولیاں ہمارے ہی طیارے کو لگ سکتی

ہیں...''

''اوہو... یہ... یہ میں کیا سن رہی ہوں۔'' فرزانہ کے منہ سے
مارے خوف کے نکلا۔

☆☆☆

معرکہ شروع

سب کے سب فوری طور پر فرزانہ کی طرف متوجہ ہو گئے:

''اب بتا بھی دو نا کہ تم کیا سن رہی ہو۔''

''بے شمار زمینی فوج کو آتے ہوئے سن رہی ہوں... ظاہر ہے،
یہ لوگ سرحد کے بالکل قریب ہیں... اور ہماری فوج کی نسبت جلد یہاں
تک پہنچ جائیں گے... جب کہ پوری فوج کے مقابلے میں ہم بہت کم
ہیں... آٹے میں نمک کے برابر...''

''کوئی بات نہیں... ہمارے طیارے فضا میں موجود ہیں... بے
تحاشہ فوج پر ہمارے طیارے آسانی سے فائرنگ کر سکیں گے... جب کہ
ان کی فوج کے لیے ہمیں نشانہ بنانا آسان کام نہیں ہے... اتنی دیر میں
ہماری فوج بھی آ ہی جائے گی۔''

''ہاں جمشید... تم ٹھیک کہتے ہو۔'' خان رحمان مسکرائے۔

اب طیاروں کی جنگ میں بہت تیزی آ چکی تھی... دیکھتے
ہی دیکھتے دو طیارے اور گرتے نظر آئے... ان میں سے ایک ان کے ملک
کا بھی تھا... اس وقت انہیں رنج سا محسوس ہوا... وہ اداس نظروں سے

اس طیارے کو گرتے دیکھتے رہے... لیکن پھر اچانک ان کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے... انہوں نے پائلٹ کو پیراشوٹ کے ذریعے چھلانگ لگاتے دیکھ لیا تھا... پیراشوٹ پر بھی فائرنگ کی گئی... لیکن اللہ کی مہربانی سے وہ بچ گیا... اور جلد ہی نظروں سے اوجھل ہو گیا:

''امید ہے... ہمارا پائلٹ بچ گیا ہے۔'' خان رحمان بولے۔

''ان شاء اللہ!'' ان سب کے منہ سے نکلا۔

اسی وقت دشمن کے ایک طیارے کو آگ لگتی نظر آئی... انہوں نے پھر نعرۂ تکبیر بلند کیا... ادھر فرزانہ پکار اٹھی:

''فوج نزدیک آ گئی۔''

انہوں نے سامنے کی طرف دیکھا... واقعی دشمن فوج چلی آ رہی تھی... عین اس وقت ان کے ملک کے طیاروں نے زمینی فوج پر فائرنگ شروع کر دی... بے شمار چیخیں فضا میں گونج گئیں...

اس طرح ایک خوفناک جنگ شروع ہو گئی... پندرہ منٹ بعد ان کی فوج بھی آخر میدان میں پہنچ گئی... اس نے مورچے سنبھال لیے... اب خوفناک آوازوں سے میدان گونجنے لگا... انہیں صدر کی بہت یاد آئی:

''کیا خیال ہے... ہم نکل چلیں... بقول صدر صاحب... اب یہاں ہمارا کام نہیں رہ گیا۔''

''ہاں جمشید۔'' پروفیسر بولے۔

انہوں نے آہستہ آہستہ وہاں سے سرکنا شروع کیا... یہ کام بھی انہوں نے مورچوں سے مورچوں تک کیا... ورنہ وہ آسانی سے دشمن

کی گولیوں کا نشانہ بن سکتے تھے۔ آخر کافی دیر کی کوشش کے بعد وہ اتنی دور آ گئے کہ اٹھ کر چل سکتے تھے... انہوں نے اطمینان کا سانس لیا... تاہم انہوں نے سڑک کا راستہ اختیار نہیں کیا تھا... کوئی طیارہ سڑک پر فائرنگ کر سکتا تھا... جب کہ دائیں بائیں جنگل گھنا تھا۔ درختوں کے درمیان سفر کرنا قدرے محفوظ تھا... آفیسر اب ان کے ساتھ خود بخود چل رہا تھا... یہ بات اس کے ذہن میں بیٹھ چکی تھی کہ اس کے اپنے ملک میں اب اس کی کوئی ضرورت نہیں رہ گئی تھی... اب وہ ان کے لیے فاضل پرزہ تھا... ان حالات میں وہ اپنے ملک کی طرف بھاگنے کی کیوں کوشش کرتا... وہ چلتے رہے... لڑائی کی آوازیں اب بہت آہستہ ہو چلی تھیں... ایسے میں ایک آواز گونجی:

''ہاہاہا... ہاہاہا۔''

انہوں نے چونک کر سامنے دیکھا... انہیں حیرت کا ایک جھٹکا لگا... سردار ان کے سامنے کھڑا تھا۔ وہی سردار جسے وہ الٹا لٹکا چھوڑ آئے تھے... اور اس کے ہاتھ میں ایک بڑا سا ریوالور تھا:

''کیوں کیسی رہی۔'' وہ بولا۔

''تو تم ابھی زندہ ہو۔'' انسپکٹر جمشید نے نفرت زدہ لہجے میں کہا۔

''زندہ نہ ہوتا تو یہاں کیسے آتا... میں نے اپنے ساتھیوں کو یقین دلایا تھا کہ تم اس راستے سے جاؤ گے، لہٰذا ہم تمہارے استقبال کے لیے یہاں موجود ہیں... ہم چاروں طرف سے تمہیں زد میں لیے ہوئے ہیں... ان درختوں کو دیکھو... ہر درخت سے ایک رائفل کی نالی جھانکتی نظر آئے گی۔''

"ن... ن... نہیں۔" ان کے ساتھ موجود آفیسر مارے خوف کے بولا۔

"خاموش!" سردار گرجا۔

"کیا مطلب... مسٹر آفیسر... کیا آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں۔"

"ن... ن... نہیں۔" وہ بولا۔

"اپنی زبان کو بند رکھو۔" سردار غرایا۔

"یس... یس سر۔" وہ بوکھلا کر بولا۔

"کیا مطلب... آپ اس جنگلی کو سر کہہ رہے ہیں۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"بے وقوف... میں نے کہا تھا... زبان بند رکھو..." سردار چیخا۔ ساتھ ہی اس کے پستول سے ایک گولی نکلی اور آفیسر کے منہ سے دل دوز چیخ نکل گئی... وہ گر کر تڑپنے لگا۔

وہ سکتے میں آ گئے... انسپکٹر جمشید چلائے۔

"یہ کیا کیا۔"

"یہ اسی سزا کا مستحق تھا... اور اب تم سب کی باری ہے... لو تم بھی اس کے ساتھ سفر پر روانہ ہو جاؤ۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے فائر جھونک مارا... ساتھ ہی اپنے ساتھیوں سے بولا!

"بھون ڈالو... ان سب کو۔"

وہ اس سے پہلے ہی اوٹ لگا چکے تھے... بلا کی تیزی سے لڑھکتے ہوئے وہ رائفلوں کے دائرے سے نکل گئے... دوسرے ہی لمحے وہ

درختوں کے پیچھے پوزیشن لے چکے تھے:

"یہ کیا ہوا... اتنی بہت سی گولیوں کے درمیان وہ نکل گئے... کیا ہم یہاں پہلے سے اس لیے آئے تھے کہ انہیں اس قدر آسانی سے نکل جانے دیں... حد ہو گئی..."

وہ غصے میں اپنے بال نوچنے لگا... پھر پستول ہاتھ میں لیے دیوانہ وار ان درختوں کی طرف بڑھا جن کے پیچھے انہوں نے پناہ لی تھی... انسپکٹر جمشید نے فوراً اس پر فائر کیا... گولی اسے لگی... لیکن اس کا کچھ نہ بگڑا... شاید اس نے بلٹ پروف لباس پہن رکھا تھا... اب یہ بات ان کی سمجھ میں آئی کہ وہ پستول لیے... کھلی جگہ کیوں کھڑا تھا... اور وہ کیوں بے خوفی کے عالم میں ان کی طرف آ رہا تھا...

پھر جونہی وہ ان کے درخت کے نزدیک پہنچا... انہوں نے جھک کر اسے دونوں ہاتھوں پر اٹھا لیا اور زمین پر دے مارا... دوسرا لمحہ حیران کن تھا... گرتے ہی وہ اچھلا اور سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"آؤ آؤ... انسپکٹر جمشید آؤ... تمہاری موت تمہیں اس جنگل میں لائی ہے..."

"میں اسے دیکھتا ہوں... تم اس کے ساتھیوں کی خبر لیتے رہو... جونہی کسی رائفل کی نالی نظر آئے... اسے بے کار کر دو۔"

"ٹھیک ہے جمشید... تم بے فکر رہو... لیکن ذرا احتیاط سے... لگتا ہے... یہ صاحب ربڑ کے بنے ہوئے ہیں۔" خان رحمان بولے۔

"کوئی بات نہیں... اللہ مالک ہے۔ یہ ربڑ کا نہیں، یہ سارا کمال اس لباس کا ہے جو اس نے پہن رکھا ہے۔"

اب جنگل میں تڑاتڑ فائرنگ کی آوازیں گونجنے لگیں...
ادھر انسپکٹر جمشید اور سردار آمنے سامنے کھڑے تھے... ایسے میں سردار نے کہا:

''یوں مزہ نہیں آرہا۔'' یہ کہتے وقت وہ ہنسا بھی۔

''کیا کہنا چاہتے ہو۔'' انسپکٹر جمشید نے اسے گھورا۔

''میں اور تم لڑ لیتے ہیں... باقی چاروں طرف کھڑے رہ کر تماشا دیکھیں... اگر میں ہار گیا... تو میں اور میرے ساتھی خود کو تم لوگوں کے حوالے کر دیں گے... تم ہار گئے تو تم اور تمہارے ساتھی خود کو ہمارے حوالے کر دینا... ورنہ اس طرح ایک طرف فائرنگ ہو رہی ہے... دوسری طرف ہم لڑ رہے ہیں... مزہ تو اس میں ہے کہ یہ سب اس لڑائی کو دیکھیں۔''

''ٹھیک ہے... ایسا کر لیتے ہیں... لیکن پھر معاہدے کی خلاف ورزی نہ کرنا... یہ نہ ہو کہ ادھر میں تمہیں گرا لوں... ادھر تمہارے ساتھی ہم پر حملہ کر دیں...''

''ایسا نہیں ہوگا۔'' وہ بولا۔

''اچھی بات ہے... سب لوگ ایک دائرہ بنا لیں... اور لڑائی دیکھیں۔'' انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''جمشید...'' پروفیسر داؤد نے کچھ کہنا چاہا۔

''فکر نہ کریں۔'' وہ بولے۔

''لیکن ابا جان... ہم فکر کیوں نہ کریں۔''

''اس شخص کو میں زندہ اپنے ملک لے جانا چاہتا ہوں...

کیونکہ..''

''کیونکہ کے بعد بھی کچھ کہو جمشید۔'' خان رحمان بے تابانہ بولے۔

''کیونکہ... یہ کوئی عام شخصیت نہیں... بہت خاص آدمی ہے۔''

''وہ تو اس کے اور اس آفیسر کے جملوں سے ہی محسوس کر لیا تھا ہم نے... سوال تو یہ ہے کہ یہ کون ہے۔''

''کیوں جناب! کون ہیں آپ۔''

''پہلے دو دو ہاتھ... پھر کوئی اور بات۔'' اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''اچھی بات ہے... یونہی سہی۔''

''اور یہ بھی سن لو... جس طرح تمہاری خواہش مجھے زندہ اپنے ملک لے جانے کی ہے... اسی طرح میری بھی یہ خواہش ہے کہ انسپکٹر جمشید اور ان کے ساتھیوں کو زندہ اپنے ملک میں لے جاؤں۔''

''خوب خوب... اب دیکھنا یہ ہے کہ کس کی خواہش پوری ہوتی ہے۔''

''لو... میں وار کرتا ہوں۔''

یہ کہتے ہی اس نے اپنے دونوں پاؤں زور سے زمین پر مارے... اس کا اتنا کرنا تھا کہ وہ فضا میں اچھلا... بالکل اس طرح جیسے کوئی گیند زمین پر ماری جائے تو وہ اچھلتی ہے... اور اچھلتے ہی وہ ان کی طرف کسی تیر کی طرح آیا... وہ پہلے ہی تیار تھے... محسوس کر چکے تھے کہ اس کے لباس میں ایسی خاصیت ہے... چنانچہ ادھر وہ اچھلا... ادھر

انہوں نے دائیں طرف چھلانگ لگائی...

وہ صاف بچ گئے... لیکن اگلا لمحہ حیران کن تھا... کیونکہ اب اس کی چھلانگیں مسلسل شروع ہو چکی تھی... یعنی بغیر رکے وہ اچھل رہا تھا اور ان کی طرف آ رہا تھا... انہوں نے کبھی دائیں کبھی بائیں اور کبھی آگے کی طرف لڑھک کر خود کو اس کے وار سے بچایا... لیکن پھر اس کے اچھلنے میں بجلی کی سی تیزی آ گئی... اور انسپکٹر جمشید محسوس کرنے لگے کہ وہ اس کی تیزی کے مقابلے میں زیادہ دیر تک کامیاب نہیں ہو سکیں گے... وہ فکر مند ہو گئے... آخر لڑھکنے کے ساتھ ہی انہوں نے خود اس پر چھلانگ لگا دی... دونوں پورے زور سے ٹکرائے...

انسپکٹر جمشید کے منہ سے چیخ نکل گئی... انہیں یوں لگا... جیسے وہ کسی لوہے کے جسم سے ٹکرائے ہوں... انہوں نے سردار کا قہقہہ سنا:

''ہاہاہا... لو بھئی... تمہارے انسپکٹر جمشید تو گئے کام سے۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے ان کی طرف دیکھا... یہی وہ لمحہ تھا جس سے انسپکٹر جمشید نے فائدہ اٹھایا... ورنہ اب تک کی لڑائی میں تو اس کی نظریں برابر ان پر رہی تھیں... وہ بلا کی تیزی سے اچھل کر کھڑے ہوئے اور کمر کی طرف سے اس کی گردن بازو میں کس لی... اور پھر دباؤ بڑھاتے چلے گئے...

''یغ... شو...'' سردار کے منہ سے عجیب و غریب آوازیں نکلنے لگیں۔

''اب بتاؤ... کون گیا کام سے...''

''نن... نن...'' اب بھی اس کے منہ سے کوئی بات نہ نکل

سکی۔

آخر انہوں نے دباؤ کم کیا اور اس سے بولے:

''تمہاری شکست ہو گئی ہے... اب اپنے لوگوں کو حکم دو... وہ خود کو بندھوا لیں... ورنہ۔'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے گردن پر پھر زور بڑھا دیا... لیکن ساتھ ہی کم کر دیا۔

''تت... تم سب خود کو بندھوا لو... فکر نہ کرو... یہ ہمیں نہیں لے جا سکیں گے... میں نے اور کئی انتظامات کر رکھے ہیں۔''

''اوکے سر!'' وہ ایک ساتھ بولے۔

''باندھ لو انہیں۔'' انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

انہوں نے جلدی جلدی ان سب کو باندھ لیا...

''محمود... اپنا چاقو لو اور اس کا عجیب و غریب لباس کاٹ ڈالو...''

محمود نے فوراً یہ کام شروع کر دیا...

''اس کے جوتے بھی اتار لو... جن کی مدد سے یہ اچھلتا ہے... ان میں ضرور خاص قسم کے اسپرنگ لگے ہوئے ہیں۔''

اس کے جوتے اتارے گئے تو واقعی وہاں عجیب و غریب اسپرنگ لگے نظر آئے:

''ان جوتوں کو بھی اوپر سے کاٹ ڈالو۔''

چاقو کی مدد سے جوتے بے کار کر دیے گئے... تب انسپکٹر جمشید نے اس کی گردن چھوڑ دی... محمود اس کی طرف پستول تانے کھڑا تھا... انسپکٹر جمشید نے اس کے ہاتھ کمر کی طرف باندھ دیے...

''اب بتاؤ... اور کیا انتظامات کر رکھے ہیں تم نے؟''

وہ منہ سے کچھ نہ بولا... بس ٹکر ٹکر ان کی طرف دیکھ رہا تھا:

''بتاؤ... ورنہ ابھی مرمت شروع کرتے ہیں... اب تمہاری اچھل کود تو ہو گئی ختم... باقی رہ گیا... جسم کا لوہے کی طرح سخت ہونا... وہ بھی لباس کی وجہ سے تھا... اب بولو۔''

''کوئی انتظامات نہیں کر رکھے، یہ تو میں نے انہیں اطمینان دلانے کے لیے کہا تھا... تم ہم لوگوں کو چھوڑ دو... ہم تمہارے کسی کام کے نہیں۔''

''کیا مطلب... یہ تم نے کیا کہا۔'' وہ چونکے۔

''مطلب یہ کہ اپنے ملک لے جا کر تم ہم سے کچھ بھی نہیں اگلوا سکو گے... ہم جان تو دے دیں گے... بتائیں گے کچھ نہیں۔''

''اگر یہ بات اسی طرح ہے تو بھی یہ سودا ہمارے لیے فائدہ مند ہو گا... اپنے ملک جا کر تو تم پھر ہمارے ملک کے خلاف کام شروع کر دو گے... اس طرح کم از کم تم کچھ کر تو نہیں سکو گے... باقی رہی اگلوانے کی بات... تو میں ذرا نفسیاتی طریقے سے بات کو اگلواتا ہوں... یہ ضروری نہیں کہ تشدد کا راستہ اختیار کیا جائے... ہمارے ہاں اس سلسلے میں بہت عجیب و غریب طریقے اختیار کیے گئے ہیں۔ تم انہیں دیکھ کر خوش ہو گے... ویسے میں یہ بتا سکتا ہوں... تم کون ہو... اور تمہاری کیا اہمیت ہے۔'' یہ کہتے وقت انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

''کیا مطلب؟'' وہ زور سے چونکا۔

''تم دراصل اپنے ملک کی خفیہ ایجنسی کے چیف ہو۔''

''نن... نہیں۔'' مارے خوف کے اس کے منہ سے نکلا۔

''اور اسی سے ظاہر ہے... تمہاری کیا اہمیت ہے۔''

''نن... نہیں۔''

''لہٰذا ہم تمہیں کس طرح چھوڑ سکتے ہیں... تم ہی تو ہمارے ملک کی ایک بڑی خرابی کے ذمے دار ہو... اپنے خفیہ کارکنوں کو اس راستے سے ہماری طرف بھیجنا اور ان کے ذریعے ہر طرح کے تخریبی کام لینا... اور ہمارے ملک میں امن و امان نام کی کوئی چیز نظر نہ آنے دینا... یہ ہیں تمہارے مقاصد... اللہ کا شکر ہے... ہم اس طرف نکل آئے... ورنہ جنگلیوں کے سردار کی صورت میں تم اپنا کام جاری رکھتے... اور خود ان لوگوں کو کانوں کان پتا نہ چلتا کہ تم کیا کر رہے ہو... اب چلو... اڑو گے تو بھی ہمیں لے جانا آتا ہے... یقین نہیں تو لو... دیکھو... میں تمہارے دائیں کان کی لو اڑانے لگا ہوں۔''

''نن نہیں... نہیں... ٹھہرو۔ میں چل رہا ہوں... تم مجھ پر اپنے ملک کی عدالت میں مقدمہ چلاؤ اور سزا دلواؤ... اس سے زیادہ تم کچھ نہیں کر سکتے... قانون تمہیں اس سے زیادہ کی کوئی اجازت نہیں دیتا۔''

''خوب خوب! اور یہ جو تم کرتے رہے ہو... کیا قانون... میرا مطلب ہے یہ ہمارا ملک کا قانون تمہیں اس کی اجازت دیتا ہے۔''

وہ کوئی جواب نہ دے سکا... اب وہ سب ان کے ساتھ چلنے کے لیے ذہنی طور پر آمادہ ہو چکے تھے... چنانچہ ان کے پیروں کی رسیاں کھول دی گئیں... اس طرح ان کا یہ قافلہ اپنے شہر کی طرف روانہ

ہوا...

اور ان کی پشت پر جنگ کی آوازیں بدستور جاری تھیں.....

☆☆---☆---☆☆